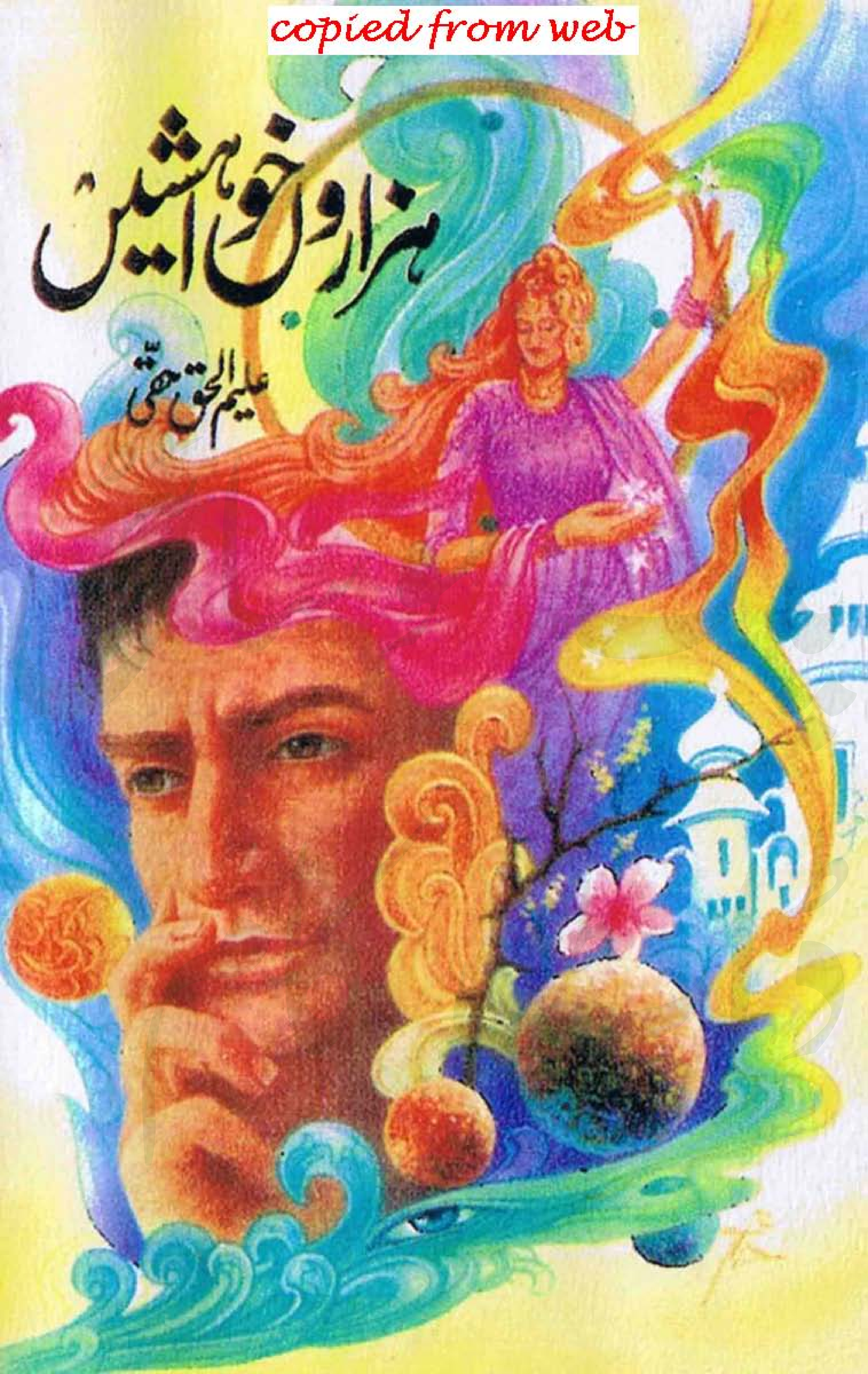
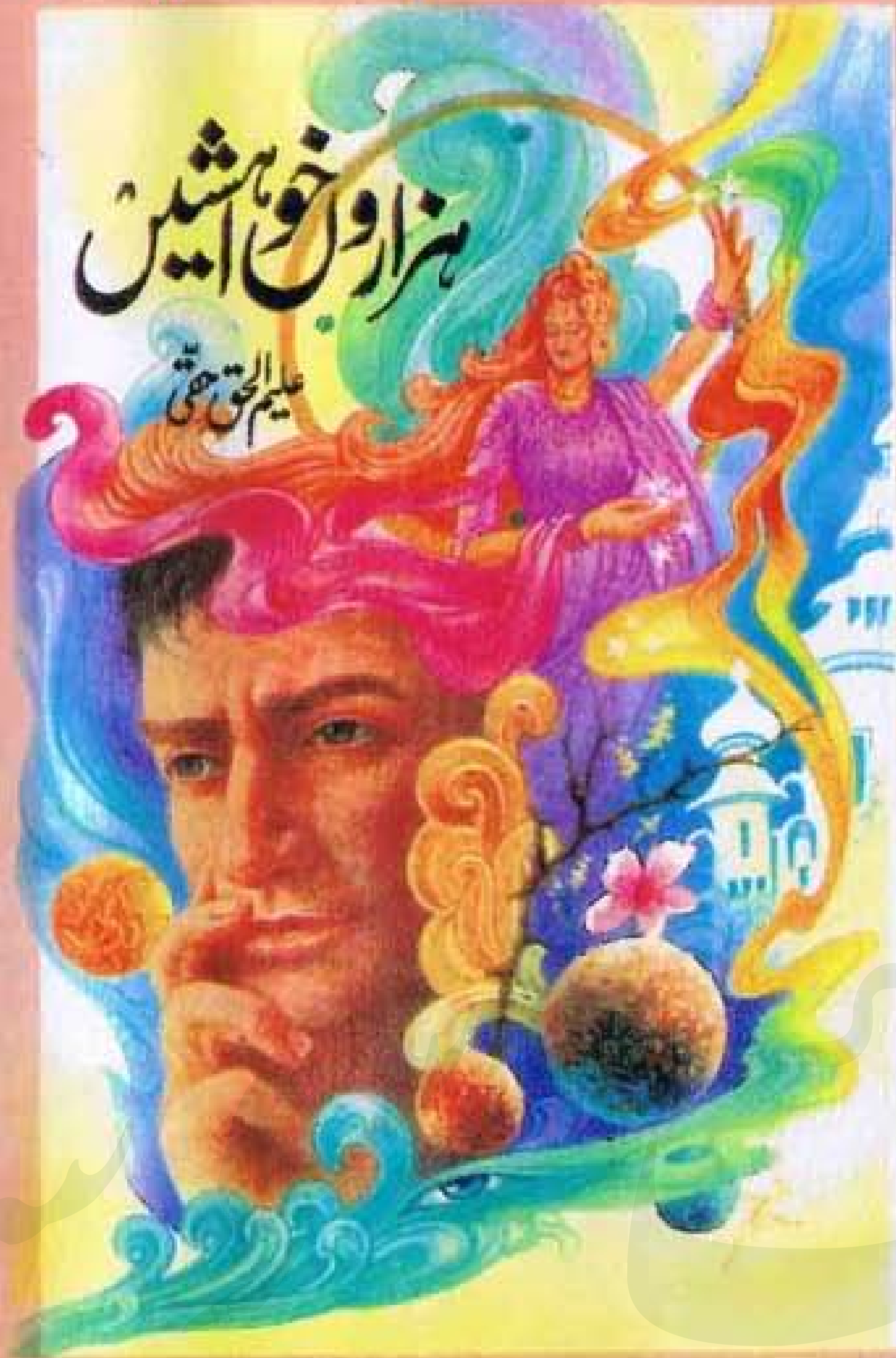

copied from web
ہزاروں خواہشیں
علیم الحق حقی



محترم علیم الحق حقی کے قلم سے انوکھی تحریر

- ☆ خواہشات کے گرداب میں پھنسے ہوئے ایک شخص کی دلچسپ داستان۔
- ☆ اس نے طویل عرصے تک محرومیوں کا زہر پیا تھا لیکن پھر قسمت کی دیوی اس پر مہربان ہو گئی جو اس کی ہر خواہش پوری کر سکتی تھی۔
- ☆ اس نے لوگوں کی خواہشیں پوری کرنے والا ادارہ کھول لیا اور معاوضہ لے کر لوگوں کی خواہشیں پوری کرنے لگا۔
- ☆ انسانی نفسیات کی نیرنگیوں اور دلوں میں چھپی آرزوؤں کی کہانی۔
- ☆ ایک ادارے کی دلچسپ رُوداد جو لوگوں کی خواہشات پوری کرنے کا دعویدار

اچھوتے موضوع پر فکر انگیز تحریر

Rs.100/

ISBN 969-8429-14-X

خواہشات کے گرداب میں پھنسے ہوئے ایک شخص کی دلچسپ داستان

ہزاروں خواہشیں

علیم الحق حقی

ناشر
علی میاں پبلی کیشنز
۲۰-عزیز مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔فون ۷۲۴۷۴۱۴

بار اول ـــــ ۱۹۹۹ء
مطبع ـــــ یو اینڈ می پرنٹرز لاہور
کمپوزنگ ـــــ ہاشمی کمپوزنگ سنٹر لاہور
قیمت ـــــ -/۱۰۰ روپے

اسٹاکسٹ
علی بک سٹال
نسبت روڈ چوک میو ہسپتال
لاہور فون: ۷۲۲۳۸۵۳

ISBN 969-8429-14-X

وہ ذہین اختر کا 25 واں جنم دن تھا۔

باہر سورج افق کے سمندر میں اتر چکا تھا۔ کمرے میں اندھیرا گہری رنگت اختیار کرتا جارہا تھا لیکن ذہین اختر کو اس کا احساس بھی نہیں تھا۔ اس کے اپنے دماغ میں' وجود میں اس سے زیادہ گہرا اندھیرا تھا۔ ایسی مایوسی تھی کہ اس کا وجود شل ہو کر رہ گیا تھا۔ امید کی کوئی کرن نہیں تھی کہ جس کی ڈور تھام کر وہ خود کو اس اندھیرے سے نکال پاتا۔

پچیس سال کی عمر اور ایسی مایوسی! اس نے حیرت سے سوچا۔ اسی عمر میں تو ایسی مایوسی ہو سکتی ہے۔ اس کے ذہن نے جواب دیا۔ عمر زیادہ ہو جائے تو آدمی کو زیادہ سے زیادہ آنے والی کل کی فکر ہوتی ہے۔ جوان ہو تو خوف پوری عمر کا ہوتا ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ جوان آدمی مایوس کم ہی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ مضبوط ہوتا ہے اور سب کچھ کر سکتا ہے۔ ذہین اختر ویسے بھی مایوس ہونے والا آدمی نہیں تھا لیکن جب وقت اور حالات کا دھارا پوری قوت سے الٹی سمت میں چل رہا ہو تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔

پچیسواں جنم دن اور مایوسی! ذہین اختر نے جھنجلا کر سوچا' لیکن یہ بھی تو دیکھو کہ اس جنم دن پر کیسے کیسے تحفے ملے ہیں۔ صبح سویرے مالک مکان کی منحوس صورت دیکھنے کو ملی اور پھر اس نے جو گفتگو کی' اس کے بعد تو وہ روئے زمین پر منحوس ترین آدمی لگنے لگا

"دیکھو میاں اختر............" اس نے اسٹارٹ لیا۔

ذہین اختر کو صرف اختر پکارے جانے سے بڑی اذیت ہوتی تھی۔ توہین کا احساس ہوتا تھا۔ اس کی ذہانت کی نفی جو کی جارہی ہوتی تھی۔

"چھ ماہ سے تم نے کرایہ نہیں دیا ہے۔" مالک مکان سبحانی کہہ رہا تھا "اگر تم بے

روزگار ہوتے تو اور بات ہوتی۔ بیمار ہوتے تو میں انسانیت کے نام پر صبر کر لیتا لیکن تم نوکری کر رہے ہو۔ ٹھیک ٹھاک حلئے میں، مجھ سے اچھے لباس میں نظر آتے ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نوکری بھی ٹھیک ٹھاک ہے۔"

ٹھیک ٹھاک نوکری.......... ہونہہ۔ ذہین اختر دل ہی دل میں غرایا۔ اچھا لباس۔ یہ بڈھا اس دنیا کو سمجھتا ہی نہیں۔ نوکری نہایت ردی ہے اور آگے بڑھنے کے لئے اچھا لباس اور ٹیپ ٹاپ ضروری ہے۔ باقی قبر کا حال تو مردہ ہی جانتا ہے۔ اس خیال پر وہ دل ہی دل میں ہنسا۔ جس کمرے میں وہ رہ رہا تھا، قبر ہی تو تھا۔ البتہ وہ زندہ تھا اور مردے تو مردے ہوتے ہیں۔ قبر کا حال وہ کیا جانیں۔ قبر کا حال تو کوئی زندہ آدمی ہی بتا سکتا ہے، جو قبر میں رہنے پر مجبور بھی ہو۔

"شہر کے بیچ اس فلیٹ کا کرایہ نہ ہونے کے برابر ہے۔" سبحانی کہے جا رہا تھا۔

ذہین اختر کو غصہ آنے لگا۔ چوتھی منزل کے اوپر بنے ہوئے اس ناجائز ڈربے کو بڈھا فلیٹ کہہ رہا ہے۔ 104 سیڑھیاں چڑھ کر جب آدمی یہاں پہنچتا ہے تو اس کے پھیپھڑے نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ قیام در کوع و سجود اور پھر نیچے اترنے کے تصور سے دم نکلنے لگتا ہے۔ ان سیڑھیوں ہی کی وجہ سے اس کی.......... ذہین اختر کی ذہانت کی بدترین توہین ہوئی تھی۔ وہ چھٹی کا دن تھا۔ اسے بھوک لگ رہی تھی لیکن دو سو آٹھ سیڑھیاں اتر چڑھ کر وہ پیٹ بھرنا نہیں چاہتا تھا۔ کھانا کھا کر اوپر آؤ تو ایک سو چار سیڑھیاں چڑھنے کے بعد پیٹ ایسا خالی محسوس ہوتا تھا کہ لگتا تھا تین دن سے کچھ بھی نہیں کھایا ہے۔ لہٰذا وہ اتر کر ہوٹل جانے اور کھانا کھا کر واپس آنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس نے ٹوکری لٹکائی اور کسی جانے پہچانے بچے کا انتظار کرنے لگا۔ آدھا گھنٹا ہو گیا کوئی جانی پہچانی صورت نظر نہیں آئی۔ بھوک بے تاب کئے دے رہی تھی۔ نیچے سے ایک سولہ سترہ سالہ لڑکا جاتا نظر آیا۔ وہ جانا پہچانا نہیں تھا لیکن ذہین اختر کو بھوک نے ایسی باتوں سے بے نیاز کر دیا تھا۔ اس نے لڑکے کو پکارا "بیٹے.......... اس ٹوکری میں دس کا نوٹ ہے اور برتن ہیں۔ نکڑ والے ہوٹل سے چھ روپے کی نہاری اور تین روٹیاں لا دو۔ ایک روپیہ تم

رکھ لینا۔" لڑکے نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ٹوکری سے دس روپے اور برتن نکالے اور ہوٹل کی طرف چلا گیا۔ کبھی واپس نہ آنے کے لئے!

ایک گھنٹا گزر گیا، لڑکا واپس نہیں آیا۔ بھوک بھی عجیب تھی اتنی دیر کھانا نہ ملے تو بھوک مر جاتی ہے مگر وہ تو اور بڑھ گئی تھی۔ تنگ آ کر وہ اترا۔ لٹکی ہوئی ٹوکری اس نے لٹکی رہنے دی۔ رسی کو کھڑکی سے باندھ دیا۔ نیچے اتر کر وہ بھاگم بھاگ ہوٹل پہنچا۔ وہاں اس لڑکے کا وجود بھی نہیں تھا۔ کھانا کھا کر واپس آیا۔ اپنی لٹکی ہوئی ٹوکری کو ٹٹولا۔ حالانکہ ٹٹولنے کی بالکل ضرورت نہیں تھی۔ برتن کوئی سوئی تو نہیں ہوتے لیکن ٹٹولنے کا یہ فائدہ ہوا کہ چھوٹا سا رقعہ ہاتھ میں آ گیا۔ اس پر لکھا تھا "تم نے کیا مجھے اپنے باپ کا نوکر سمجھا تھا۔" وہ لڑکا اس کے سامنے ہوتا تو وہ یقیناً اس کا گلا گھونٹ دیتا۔ اس وقت وہ صرف ٹوکری کا گلا گھونٹ سکتا تھا۔ اس نے ٹوکری کو ڈوری سے آزاد کیا اور اسے رقعے سمیت توڑ مروڑ کر سامنے کوڑے کے ڈھیر پر پھینک آیا پھر وہ ایک سو چار سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچا اور بھوک سے تڑپنے لگا۔ اس عالم میں بھی وہ حساب کئے بغیر نہ رہ سکا۔ ایک لمحے میں آدمی کتنا کچھ گنوا سکتا ہے۔ (1) دس روپے (2) کم از کم تیس روپے کے برتن (3) پانچ روپے کی ٹوکری (4) آٹھ روپے کا کھانا جو سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے ہضم ہو گیا تھا (5) آئندہ کسی پر اعتبار کرنے کا جذبہ۔ اب وہ کسی سے کچھ نہیں منگوا سکتا تھا (6) اس کی ذہانت کے منہ پر منہ پھرا دینے والا تھپڑ لگا تھا۔

تو بڈھا سبحانی اس ڈربے کو فلیٹ کہہ رہا تھا۔ خود دو دن یہاں رہ کر دیکھے اور پھر بجلی ہر روز کتنے تواتر سے غائب..........

"میں جانتا ہوں کہ لائٹ بہت جاتی ہے۔" بڈھا سبحانی کہہ رہا تھا۔ وہ ذہانت میں ذہین اختر سے کم نہیں تھا۔ خیال خوانی کی خصوصی صلاحیت تھی اس کے پاس "مجھے تو نیچے کے فلیٹ والوں پر ترس آتا ہے۔ کرایہ وہ زیادہ دیتے ہیں۔ جبکہ بجلی چلی جائے تو روسٹ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ایک تم ہو کہ کرایہ صرف آٹھ سو روپے دیتے ہو اور پنکھے کی خریداری سے محفوظ ہو۔ پنکھے کی ضرورت ہی نہیں تمہارے فلیٹ میں۔ کھڑکی کھولی اور

ہوا ہی ہوا۔"

ہاں یہ تو ہے۔ ذہین اختر نے دل ہی دل میں کہا۔ ہوا......... اتنی ہوا کہ میں کہہ سکتا ہوں کہ میں آندھی طوفان کا پروردہ ہوں۔ اس کمرے میں پنکھے کے واقعی ضرورت نہیں تھی۔ البتہ پیپر ویٹ سیکڑوں کے حساب سے خریدنے ضروری تھے۔ کاغذ ٹائپ کی کوئی چیز تو کمرے میں ٹھہر ہی نہیں سکتی تھی۔ ہر ہلکی چیز کے پر لگ جاتے تھے۔ کبھی کبھی تو اسے لگتا تھا کہ ہوا اسے بھی اڑا کر لے جائے گی۔ یہ بات بڈھے کی سمجھ میں نہیں آتی۔

"تم میرے لئے بہت نقصان دہ ثابت ہو رہے ہو اختر۔" بڈھے سبحانی نے کہا "ایک ایسا کرائے دار اس کمرے کے لئے میرے پیچھے پڑا ہے جو اس کا کرایہ بارہ سو روپے ماہوار دینے کو تیار ہے۔ تم کرایہ دیتے ہی نہیں ہو اس لئے چار سو روپے ماہانہ کا نقصان بارہ سو روپے ماہانہ کا نقصان بن گیا ہے۔ میں غریب آدمی اتنا نقصان برداشت نہیں کر سکتا۔ مجھ بڈھے کا سارا یہ بلڈنگ اور اس کے چوبیس فلیٹ ہی تو ہیں۔"

ذہین اختر نے دل میں حساب لگایا۔ چوبیس نہیں......... سولہ فلیٹ۔ ان کا کرایہ 48 ہزار۔ پھر چوتھی منزل کے اوپر آٹھ دڑبے۔ ان کا کرایہ چھ ہزار چار سو روپے۔ اس غریب بڈھے کی گزر اوقات کے لئے 54 ہزار چار سو روپے ناکافی تھے۔ جبکہ اس امیر نوجوان مسمی ذہین اختر کو دو ہزار تنخواہ میں گزارا کرنا ہوتا تھا۔

"......... تمہاری طرف میرے 4800 روپے نکلتے ہیں۔" سبحانی کہہ رہا تھا "چلو میں ان پر فاتحہ پڑھتا ہوں۔ حالانکہ مشکل کام ہے۔ نیا کرایہ دار آئے گا تو ایک سال لگے گا یہ نقصان برابر ہونے میں۔ خیر کوئی بات نہیں۔ کم از کم میرا مستقبل تو محفوظ ہو جائے گا۔ اب میں آخری بات کر رہا ہوں۔ اگر آئندہ ہفتے اسی دن تم نے خود میرا فلیٹ خالی نہیں کیا تو میں تمہارا سامان نیچے پہنچا دوں گا۔ اگرچہ وزن اٹھانا میرے لئے اچھا نہیں۔"

"سبحانی صاحب........." ذہین اختر نے پہلی بار زبان سے کچھ کہنا چاہا۔

"اور یہ بھی سن لو۔" سبحانی نے اس کی بات کاٹ دی "سامان نیچے میں اس کھڑکی کے راستے پہنچاؤں گا۔" اس نے کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

اس پر ذہین اختر کو اپنی مرغی یاد آگئی۔ چوری کی مرغی۔ کچھ دن پہلے وہ نیچے سے ایک پالتو مگر آوارہ گرد مرغی پکڑ لایا تھا۔ رات اس نے اسے اپنے کمرے میں رکھا اور صبح کمرے میں بند کر کے کام پر چلا گیا۔ ارادہ تھا کہ رات کے کھانے پر اسے استعمال کرے گا۔ شام کو وہ واپس آیا تو مقفل کمرے سے آنے والی آوازوں سے اندازہ ہوا کہ مرغی اس حبس بے جا پر شدت سے اعتراض کر رہی ہے۔ اس نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوتے ہی جلدی سے دروازہ بند کر لیا۔ مرغی نے نکل بھاگنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ آوارہ مرغیاں بند کمرے میں رہنا کب پسند کرتی ہیں اور وہ بھی اس صورت میں کہ کمرا پانچویں منزل پر ہو۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد اسے گھٹن کا احساس ہوا۔ اس نے بڑھ کر کھڑکی کھول دی اور ہاتھ منہ دھونے کے لئے ملحقہ باتھ روم میں چل دیا۔ ڈرائی کلین ہونے کے لئے۔ اس لئے کہ بیسن کے نل سے پانی کم ہی برآمد ہوتا تھا۔ زیادہ تر ہوا ہی نکلتی تھی۔

مرغی کی ہیجانی آوازیں سن کر وہ منہ دھوئے بغیر لپک کر باتھ روم سے نکلا تو دیکھا کہ مرغی کھلی ہوئی کھڑکی کی چوکھٹ پر چڑھی ہوئی ہے "ہیں......... ہیں مرغی بیگم' یہ کیا کرتی ہو۔" اس نے بوکھلا کر کہا اور مرغی کی طرف بڑھنے لگا۔ مرغی نے پلٹ کر اسے ایک نگاہ غلط انداز سے دیکھا اور اس کے قریب پہنچنے سے پہلے کود گئی۔ وہ کھڑکی کی طرف جھپٹا۔ پر پھڑپھڑاتی مرغی بہت آہستگی سے تیرتی ہوئی گر رہی تھی۔ وہ سلوموشن ایکشن معلوم ہو رہا تھا۔ نیچے سڑک پر اس وقت بہت لوگ تھے۔ مرغی کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ اتنی بلند آہنگ تھی کہ سب اوپر دیکھنے لگے۔ ذہین اختر دروازے کی طرف لپکا۔ اتنی تیزی سے یہ سیڑھیاں وہ پہلے کبھی نہیں اترا تھا۔ مرغی خریدی ہوئی ہوتی تو اس نے یقیناً سیڑھیوں سے اترنے کی زحمت نہ کی ہوتی۔ مرغی کے پیچھے ہی کھڑکی کے راستے اتر گیا ہوتا۔

وہ نیچے پہنچا تو عجیب منظر تھا۔ سامنے جھونپڑی میں رہنے والی اچھی بوا سڑک کے بیچ مرغی کو یوں اپنی آغوش میں چھپائے بیٹھی تھیں جیسے مرغی اپنے پروں میں اپنے بچوں کو

چھپاتی ہے۔ وہ اسے چمکار رہی تھیں "ارے میری چتکبری' کہاں چلی گئی تھی تو۔ کل سے تجھے تلاش کر رہی ہوں۔" ارد گرد تماشائیوں کی اچھی خاصی تعداد تھی۔

ذہین اختر تماشائیوں کو ہٹاتا بوا تک پہنچا "بوا' یہ میری چتکبری ہے تمہاری نہیں۔" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"ہنو' کیا میں اپنی چتکبری کو نہیں پہچانوں گی۔" بوا نے بڑے دلار سے کہا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں بوا۔ ان لوگوں سے پوچھ لو۔ یہ میرے فلیٹ سے کودی ہے۔" اس کی سانس اب بھی قابو میں نہیں آئی تھی۔

تماشائیوں نے باآواز بلند اس کی تائید کی تو اچھی بوا بھنا گئیں "تو اس سے تمہاری ملکیت کہاں ثابت ہوتی ہے' ہاں تم مرغی چور ضرور ثابت ہوتے ہو۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو بوا۔" اس نے ہانپتے ہوئے احتجاج کیا "میرے تو کپڑے بھی مرغی چوروں والے نہیں۔ کوئی پینٹ شرٹ پہن کر مرغی چوری کرتا ہے بوا ان کے پاس تو چادر ہوتی ہے۔"

"کچھ بھی ہو۔ یہ تو میری چتکبری ہے۔" بوا کے لہجے میں قطعیت تھی۔

"دیکھو بوا' ممکن ہے تمہاری چتکبری میری چتکبری کی جڑواں بہن ہو۔" ذہین اختر نے بے حد تحمل سے کہا "لیکن یہ میری چتکبری ہے۔ میرے فلیٹ سے کودی ہے اور میں اتنی تیزی سے سیڑھیاں اترا ہوں کہ ابھی تک میری سانس درست نہیں ہوئی ہے۔ صرف اس لئے کہ مجھے اس سے عشق ہے۔"

تماشائیوں نے پھر گواہی دی کہ مرغی واقعی اوپر سے ٹپکی ہے لیکن بوا مصر تھیں کہ وہ اس کی مرغی ہے "اچھا اسے دیکھو تو۔" ذہین اختر نے اپیل کی "کہیں مر ہی نہ گئی ہو۔"

اس پر بوا نے بوکھلا کر مرغی کو ٹٹولا۔ مرغی دم سادھے پڑی تھی "بوا جلدی سے چھری لاؤ۔ یہ کہیں مر ہی نہ جائے۔" ذہین اختر نے کہا۔ بوا نے مرغی کو چھوڑا اور چھری لینے دوڑ گئیں۔ ان کے آتے ہی ذہین اختر نے مرغی کو ذبح کر دیا۔ دو منٹ بعد وہ فاتحانہ انداز میں بوا کو مرغی کا دل اور کلیجی دکھا رہا تھا۔ "بوا.......... اتنے اوپر سے گری تھی کہ

کا دل اور کلیجا پھٹ گئے۔ اب تو مانوگی نا کہ یہ میری مرغی تھی۔" اس نے کہا۔ بوا ڈبڈبائی آنکھیں لئے اپنی جھونپڑی میں چلی گئیں۔ ذہین اختر مرغی لے کر اوپر چلا آیا۔ مرغی کے دل اور کلیجی سے اسے کوئی رغبت نہیں تھی۔ لہٰذا اسے کسی نقصان کا احساس نہیں تھا۔

اور اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اس کھڑکی سے گرائے جانے پر اس کے سامان پر کیا گزرے گی۔

"یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔" بڈھے سجانی نے کہا "آئندہ پیر تک فلیٹ خالی کر دو ورنہ.........." اس نے جملہ نامکمل چھوڑ دیا پھر بے حد خلوص سے کہا "ویسے میری دعا ہے کہ تم اس وقت تک 4800 روپے کا بندوبست نہ کر سکو۔ اس لئے کہ حساب صاف کر دیا تو میں تمہیں نہیں نکال سکوں گا اور ہر ماہ 400 روپے کا نقصان ہوتا رہے گا۔" یہ کہہ کر وہ ڈربے سے نکل گیا۔

آئندہ پیر تک فلیٹ خالی.......... ! ذہین اختر کو لگا کہ سیکڑوں چڑیلیں اور ہزاروں بھوت پچیسویں جنم دن کی اس صبح اسے چیخ چیخ کر مبارکباد دے رہے ہیں۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ کیسا عجب کتنا خوف ناک دن ہے۔ اس نے سوچا تھا۔

لیکن اس وقت تک ذہین اختر کو صحیح معنوں میں اس دن کی خوف ناکی کا اندازہ نہیں ہوا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس دن کے دامن میں اس کے لئے اور بھی بہت کچھ ہے۔

اس روز بھی وہ معمول کے مطابق آدھا گھنٹا لیٹ دفتر پہنچا۔ وہ ایک پرائیویٹ انویسٹمنٹ کمپنی تھی' جو کاروبار کے خواہش مند لوگوں کو اپنی شرائط پر قرضے دیتی تھی۔ ذہین اختر نے کمپنی کے مالک احسان صاحب کے ڈرائیور کی حیثیت سے جگہ بنائی تھی۔ وہ ملازمت اسے صرف ایک ماہ کے لئے ملی تھی۔ اس لئے کہ احسان صاحب کا ڈرائیور شادی کی وجہ سے ایک ماہ کی چھٹی پر تھا لیکن ذہین اختر کو اپنے ذہین اختر ہونے کا یقین تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس میں اتنے گن ہیں کہ کوئی عقل مند آدمی اس جیسے ملازم کو گنوا نہیں سکتا۔ ہوا بھی یہی کہ ایک ماہ سے پہلے ہی اس نے احسان صاحب پر ثابت کر دیا کہ وہ

ہر فن مولا ہے اور ہر کام کر سکتا ہے۔ ڈرائیوری ختم ہوئی تو وہ دفتر میں لگا دیا گیا۔ دفتر میں آنے جانے والی خط و کتابت کو فائل کرتے کرتے وہ کمپنی کے کاروبار کو سمجھنے لگا پھر خالی وقت میں اس نے کمپیوٹر پر بیٹھنا شروع کر دیا۔ کمپیوٹر کا کام سمجھ میں آنے لگا تو اس پر کمپنی کے راز کھلنے لگے۔

اس صبح وہ دفتر پہنچا تو فوراً ہی احسان صاحب کا بلاوا آ گیا۔ وہ ان کے کمرے میں گیا اور بلا جھجک ان کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا "جی احسان صاحب کیا حکم ہے میرے لئے؟"

"حکم نہیں ایک درخواست ہے۔" احسان صاحب نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔

ذہین اختر کو ان کے لہجے سے ترقی کی خوشبو آتی محسوس ہوئی "جی فرمایئے۔"

"وہ میں بعد میں سلیقے سے فرماؤں گا۔" احسان صاحب نے کہا اور انٹرکوم پر اپنی سیکریٹری سے کہا "ذہین اختر صاحب کا واؤچر لے کر آؤ۔"

ترقی کی خوشبو میں مال کی خوشبو بھی شامل ہو گئی۔ وہ 17 تاریخ تھی۔ پہلی ابھی بہت دور تھی اور اس کا واؤچر بن گیا تھا۔ بونس یا کیش ایوارڈ؟ کچھ بھی ہو' پیسہ تو پیسہ ہی ہوتا ہے۔ اس کے خیال میں تو یہ اس کی سالگرہ کا تحفہ تھا۔ وہ احسان صاحب کو دیکھ کر مسکراتا رہا۔ وہ پہلے ہی اسے دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

دروازہ کھلا اور احسان صاحب کی سیکریٹری کمرے میں آئی۔ وہ بھی مسکرا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں واؤچر بک تھی۔ پوری کائنات مسکرا رہی تھی۔ سیکریٹری نے واؤچر بک اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "لیجئے واؤچر پر دستخط کر دیجئے۔"

ذہین اختر نے واؤچر پر دستخط کر دیے۔ اس نے صرف رقم دیکھنے کی زحمت کی تھی......... 1133 روپے 34 پیسے! واؤچر بک اس نے سیکریٹری کو واپس کر دی۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرائی اور کمرے سے چلی گئی۔

"ذہین اختر تمہیں میرے پاس کام کرتے کتنا عرصہ ہوا ہے؟" احسان صاحب نے اچانک پوچھا۔

"چار مہینے ہوئے ہوں گے جناب۔"

"چار مہینے نہیں' تین ماہ سولہ دن۔" احسان صاحب بولے "تمہاری خود اعتمادی پر مجھے رشک آتا ہے۔"

ذہین اختر مسکرایا "آپ کو کیسے اندازہ ہوا سر۔"

"اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں۔ تمہارا انداز منہ سے بولتا ہے۔ پہلے دن تم میرے دفتر میں آئے تو دستک دے کر آئے اور یہاں میز کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ دوسری بار تم نے دستک نہیں دی۔ تیسری بار تم نے پوچھا......... میں بیٹھ سکتا ہوں سر؟ چوتھی بار تم نے پہلے کرسی سرکائی اور پھر یہی بات پوچھی۔ پانچویں بار تم بغیر پوچھے میرے سامنے بیٹھ گئے۔ چھٹے موقع پر تم نے بیٹھتے ہی کہا......... میری چائے آنے ہی والی تھی جناب......... ساتویں بار تم نے کہا چائے تو منگوایئے سر۔"

"آپ کا مشاہدہ زبردست ہے جناب۔" ذہین اختر نے داد دی۔

"شکریہ اور ہاں ذہین اختر۔ تم اسم بامسمیٰ بھی ہو۔"

"میں سمجھا نہیں سر۔"

"آسان سی بات ہے۔ تم بلا کے ذہین ہو اختر۔ ڈھائی مہینے میں تم نے ہمارے کام کے سسٹم کو سمجھ لیا۔ اس کی باریکیاں تک سمجھ لیں۔ اب تم کمپیوٹر بھی آپریٹ کر سکتے ہو۔ اب تم اس قابل ہو گئے ہو کہ اپنا کاروبار بھی شروع کر سکتے ہو۔"

"آپ کی ذرہ نوازی ہے سر۔ ورنہ میں کس قابل ہوں۔"

"اب میں وہ درخواست کروں گا جس کا میں نے ابتدا میں تذکرہ کیا تھا۔" احسان صاحب نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا "وہ درخواست یہ ہے ذہین اختر کہ تم اس دفتر کا پیچھا چھوڑ دو۔ میں نہیں چاہتا کہ تم اپنی ذہانت' خود اعتمادی اور دیگر صلاحیتیں یہاں ضائع کرو۔ مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے اور میں تمہاری اور اپنی بہتری چاہتا ہوں۔"

ذہین اختر گنگ ہو کر رہ گیا۔ اس کے ہونٹ ہلے لیکن کوئی آواز نہیں نکلی۔

"یہ واؤچر تمہاری آج تک کی تنخواہ کا تھا۔ اب تمہیں دفتر میں رکھنے کی ضرورت نہیں۔ میری طرف سے آج کی چھٹی کا بونس قبول کرو۔"

"لیکن سر' یہ تو زیادتی ہے۔"

"میں نے تو تمہاری بہتری کا سوچا ہے۔ میں نے کہا نا کہ اب تم اپنا کاروبار بھی کرسکتے ہو۔ میں تمہاری ذہانت اور صلاحیتوں کا قائل ہوگیا ہوں۔"

"مگر میں تو بالکل قلاش ہوں جناب۔"

"سرمایہ ہماری کمپنی سے لے لو۔ کسی دوسرے سے قرضے کی درخواست دلاسکتے ہو تو خود اپلائی کیوں نہیں کرسکتے۔" اسے پہلی بار احسان صاحب کے لہجے میں طنز کا شائبہ محسوس ہوا۔

ذہین اختر کا چہرہ فق ہوگیا۔ اس نے ایک شخص کو قرضہ لینے کی ترکیب بتائی تھی۔ اس کی درخواست کمپنی کے پاس تھی۔ قرضہ منظور ہو جاتا تو وہ شخص اسے پچاس ہزار روپے دیتا لیکن احسان صاحب کو کیسے معلوم ہوا۔ اب تو وہ قرضہ منظور بھی نہیں ہوسکتا۔ اس نے کہا "سر' میں تو قرضہ اپلائی کرنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا۔"

"اہلیت تو وہ شخص بھی نہیں رکھتا' جس نے تمہارے مشوروں کی روشنی میں قرض کے لئے درخواست دی تھی۔" احسان صاحب نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"لیکن سر' آپ مجھے کیوں نکال رہے ہیں؟ میرا قصور کیا ہے؟"

"ذہانت۔" احسان صاحب نے کہا اور مسکرا دیے "بہت ذہین ملازم کسی کاروباری کو اچھے نہیں لگتے پھر تم تو غیر معمولی ذہین ہو۔ اتنے کم وقت میں سسٹم کو سمجھ لینا۔ بلکہ اس کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانا بے حد خطرناک ہے۔ تم تو ہمارا دوالیا نکال دو گے میاں اختر۔"

"میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں سر۔ میں تو........"

"صرف تجربہ کرنا چاہتے تھے۔" احسان صاحب نے اس کی بات پوری کر دی "نہیں اختر' میں اتنا بڑا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ میرا یہ فیصلہ آخری ہے۔ اب تم جاسکتے ہو۔" انہوں نے میز پر رکھی ایک فائل کھولی اور اس کے مطالعے میں مصروف ہوگئے۔

چند لمحے بعد انہوں نے نظریں اٹھائیں اور اسے دیکھ کر تعجب کا اظہار کیا "ارے'

تم گئے نہیں؟"

"پیسوں کا انتظار کر رہا ہوں سر۔"

"ارے وہ........ تمہیں شاید یاد نہیں کہ تم کمپنی سے ڈیڑھ ہزار روپے ایڈوانس لے چکے ہو۔ تمہاری آج تک کی تنخواہ وضع کرکے بھی کمپنی 366 روپے 66 پیسے کے خسارے میں ہے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ وہ میں اپنی جیب سے پورے کردوں گا۔ اب تم جاؤ۔"

ذہین اختر کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی لیکن احسان صاحب کے چہرے کے تاثرات سے اسے اندازہ ہوگیا کہ بحث کرنا لا حاصل ہوگا۔ وہ اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

"سنو ذہین اختر!" احسان صاحب نے عقب سے اسے پکارا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا "میں نہیں چاہتا کہ تم خالی ہاتھ جاؤ۔"

ذہین اختر کو امید ہوئی کہ شاید کچھ مل ہی جائے۔

"میں تمہیں ایک بے حد قیمتی مشورہ دے رہا ہوں۔" احسان صاحب نے کہا "تم چالاک ہو۔ لیکن جتنے چالاک ہو' مقابل پر خود کو اس سے زیادہ چالاک ثابت کرتے ہو۔ یوں تم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ خطرناک حد تک پہنچی ہوئی ذہانت اور چالاکی کو کوئی پسند نہیں کرتا۔ خود کو چھپا کر رکھا کرو اور بے وقوف نظر آنے کی کوشش کیا کرو۔"

ذہین اختر دروازہ کھول کر باہر آگیا۔ اس کا رخ کمپیوٹر سیکشن کی طرف تھا۔ کمپیوٹر آپریٹر اسد سے اس کی اچھی دوستی ہوگئی تھی لیکن اس روز اسے دیکھتے ہی اسد کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں "یار ذہین' تم یہاں کیوں آگئے۔" اس نے بلبلا کر کہا "کیا میری نوکری بھی تیل کراؤ گے۔"

"کیا مطلب؟"

"باس کا حکم ہے کہ تم ایک منٹ بھی دفتر میں نہ رکو۔" اسد نے کہا "خدا کے لئے چلے جاؤ۔"

ذہین اختر خاموشی سے دفتر سے نکل آیا۔

اب اسے ایک بجے تک وقت گزاری کرنا تھی۔ ایک بجے اسے عاقلہ سے ملنا تھا۔ وہ ہمیشہ لنچ ساتھ ہی کرتے تھے۔ وہ ایک پارک میں جا بیٹھا۔

اس کی سوچوں میں تاریکی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اب وہ بے روزگار تھا۔ دو ہزار روپے ماہانہ کا آسرا بھی گیا۔ یہ اس منحوس سالگرہ کا دوسرا تحفہ تھا۔ اسے لگا کہ کائنات کی تمام بلائیں مل کر چیخ رہی ہیں۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔

ایک بجنے میں دس منٹ پر وہ پارک سے نکلا اور اس ریسٹورنٹ کی طرف چل دیا جہاں وہ اور عاقلہ روز کھانا کھاتے تھے لیکن ثابت ہوا کہ وہ دن کسی اعتبار سے اچھا نہیں۔ وہ ریسٹورنٹ کے باہر کھڑا رہا۔ عاقلہ ایک بج کر بیس منٹ پر آئی "سوری ذہین" اس نے اس کے شکایت کرنے سے پہلے ہی کہا "آج کام بہت ہے۔ چلو جلدی سے کھانا کھالیں مجھے دو بجے دفتر واپس پہنچنا ہے۔"

وہ ریسٹورنٹ میں چلے گئے۔ عاقلہ نے کھانے کا آرڈر دیا پھر بولی "ذہین' آج ہم آخری بار ساتھ کھانا کھا رہے ہیں۔"

ذہین اختر کو اس دن سے کوئی اچھی امید نہیں تھی پھر بھی اسے شاک لگا "کیا کہہ رہی ہو؟ کیوں؟"

"اس لئے کہ میں شادی کر رہی ہوں۔" عاقلہ نے سادگی سے کہا۔

"شادی! کس سے؟"

"اپنے باس سے۔"

"اس بڈھے کھوسٹ سے؟"

"وہ بڈھا کھوسٹ ارب پتی ہے۔"

ویٹر کھانا رکھ کر چلا گیا "کھانا کھاؤ۔ اور میری بات غور سے سنو۔" عاقلہ نے کہا۔

ذہین اختر نے بریانی کی پلیٹ جلدی سے اپنے سامنے سے سرکائی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں کھانے سے ہی محروم نہ ہو جائے۔ یہ دن ہی ایسا منحوس تھا۔ جو ملے گھسیٹ لو پھر نہ

جانے کیا ہو۔ کیا پتا رات کا کھانا ہی نہ ملے۔

"وہ مجھے بنگلا دے گا۔ آراستہ و پیراستہ بنگلا اور وہ بنگلا میرے نام ہوگا۔" عاقلہ نے کہا "میرا جیب خرچ پچاس ہزار روپے ماہانہ ہوگا اور مہر پچاس لاکھ......... یہ سب کچھ مجھے کہیں اور سے نہیں مل سکتا۔"

"لیکن وہ بہت بڈھا ہے۔"

"تو کیا ہوا۔ جب بھی وہ میرے لئے ناقابل برداشت ہوا' میں اس سے طلاق لے لوں گی۔" عاقلہ نے بے پروائی سے کہا۔

یہ مغرب نہیں' مشرق ہے۔"

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ میں طلاق نہیں مانگوں گی ورنہ مہر سے محروم ہو جاؤں گی۔ میرا مطلب یہ ہے کہ وہ میرے لئے ناقابل برداشت ہوگیا تو میں اس کے لئے ناقابل برداشت ہو جاؤں گی پھر وہ مجھے طلاق دینے پر مجبور ہو جائے گا۔ بس اتنی سی کہانی ہے۔"

"لیکن عاقلہ' میں اور تم..........."

عاقلہ نے اس کی بات کاٹ دی "میں نے اور تم نے ساتھ سفر شروع کیا تھا۔" وہ بولی "ہماری منزل بھی ایک ہے۔ اب مجھے منزل مل رہی ہے تو تمہیں تو خوش ہونا چاہئے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہیں بھی منزل مل ہی جائے گی۔"

"لیکن عاقلہ' میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

ذہین اختر سچ کم ہی بولتا تھا لیکن یہ دونوں باتیں سچ تھیں۔ "میں بھی تم سے محبت کرتی ہوں ذہین لیکن تم سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔ کم از کم فی الوقت نہیں۔ دیکھو' میں حقیقت پسند ہوں۔ ایک بھوکا دوسرے بھوکے سے ملتا ہے تو بھوک میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ بھوک + بھوک۔ بہت زیادہ بھوک۔ میرا مشورہ ہے کہ تم بھی کسی دولت مند عورت کو پھانس لو۔"

"میں خود کو یوں فروخت نہیں کرسکتا۔" ذہین اختر نے غصے سے کہا۔ بریانی کی پلیٹ خالی ہو چکی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ تم مرد ہو۔ محنت کر سکتے ہو۔ لیکن میرے پاس حسن اور 22 سال کی عمر کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اور یہ دونوں چیزیں ہمیشہ رہنے والی نہیں۔ جتنی جلدی کیش کرالو' اتنا ہی اچھا ہے۔ ممکن ہے کبھی ہم مل سکیں لیکن ابھی یہ ممکن نہیں۔ تم میری باتوں پر حقیقت پسندی سے غور کرنا۔"

"مگر میں تم سے اس سلسلے میں مدلل گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"اس کا کچھ فائدہ نہیں ذہین۔ میں فیصلہ کر چکی ہوں۔" عاقلہ نے گھڑی میں وقت دیکھا "ارے اتنی دیر ہوگئی مجھے دفتر بھی پہنچنا ہے۔" اس نے پرس کھول کر اس میں سے ہزار کا نوٹ نکالا "تم بل ادا کر دینا۔ اچھا ڈیئر الوداع۔" یہ کہہ کر وہ اسے کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر ریسٹورنٹ سے نکل گئی۔ وہ سالگرہ کا تیسرا تحفہ تھا۔

ذہین اختر ہزار کا وہ نوٹ عاقلہ کے منہ پر مارنا چاہتا تھا لیکن ایک تو عاقلہ نے اسے موقع ہی نہیں دیا تھا۔ دوسرے وہ نیا نیا بے روزگار ہوا تھا۔ ایسے میں وہ رقم اس کے کام آتی۔ اندھی جذباتیت کا وہ قائل بھی نہیں تھا۔

ریسٹورنٹ سے نکل کر وہ آوارہ گردی کرتا رہا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں سے گزرا ہے اور کس طرف جارہا ہے۔ یونہی بے مقصد پھرتے پانچ بج گئے۔ دفتر سے چھٹی کا وقت ہوگیا۔ وہ برنس روڈ جانے والی ویگن میں بیٹھ گیا۔ بیٹھ کیا گیا کھڑا ہوگیا۔ گاڑیوں میں بیٹھنے کی جگہ کہاں ملتی ہے۔

کنڈیکٹر نے کرایہ مانگا تو اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس کا دل جیسے بند ہوگیا۔ اس نے سوچا ممکن ہے پیسے کسی اور جیب میں رکھ دیے ہوں لیکن پیسے کسی جیب میں نہیں تھے۔ اس نے ایک ایک جیب ٹٹول لی "ارے میری جیب کٹ گئی۔" اس نے مری مری آواز میں کہا۔

کنڈیکٹر نے ویگن کی دیوار پر ایک ہاتھ مارتے ہوئے نعرہ لگایا "استاد بریک لگاؤ۔ ایک ڈرامے کو اتارنا ہے۔"

ذہین اختر کا چہرہ تمتما اٹھا۔ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا۔ کنڈیکٹروں کا رویہ ہمدردانہ

ہوتا ہے وہ کرائے کا مطالبہ نہیں کرتے۔ خاص طور پر معزز لوگوں کے ساتھ اور وہ یقیناً معزز لگ رہا تھا۔ اچھی صاف ستھری پینٹ شرٹ میں لیکن یہ دن ہی منحوس تھا۔

ویگن رک گئی "اتر جاؤ بابو۔" کنڈیکٹر نے کہا۔

ویگن کے تمام مسافر اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ ایک ایک کو رحم طلب نظروں سے دیکھتا رہا۔ کئی بار اس نے دیکھا تھا کہ ایسے موقع پر کسی ساتھی مسافر نے کنڈیکٹر کو کرایہ دے کر جیب کترے کے شکار کی جان چھڑا دی تھی لیکن وہ دن واقعی بہت منحوس تھا۔ اس کی مدد کو کوئی نہیں بڑھا۔

وہ ویگن سے اترا اور پیدل چل پڑا۔ سالگرہ کا چوتھا تحفہ!

وہ ساڑھے چھ بجے گھر پہنچا تو تھکن سے چُور ہو چکا تھا۔ وہ پیدل بھی تو بہت چلا تھا۔ ویگن سے تو اسے بہت بعد میں اتارا گیا تھا۔ وہ تو اس سے پہلے بھی کم از کم تین گھنٹے پیدل چلتا رہا تھا۔ ویگن سے اتارے جانے کے بعد تو اسے ایک قدم اٹھانا بھی دوبھر لگا تھا۔ اب بلڈنگ کے سامنے پہنچ کر ایک سو چار سیڑھیوں کا تصور کرکے اس کے دیوتا کوچ کر گئے۔ کچھ دیر وہ نیچے لوگوں سے گپ شپ کرتا رہا۔ محض سانس درست کرنے کے لئے۔ مغرب کا وقت ہونے والا تھا۔

آخر کار وہ ہمت کرکے چلا اور اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ اس نے لائٹ آن کی اور باتھ روم میں چلا گیا۔ اسی وقت لائٹ چلی گئی۔ سالگرہ کا پانچواں تحفہ۔ اس کا دماغ گھوم گیا۔ اس نے کھڑکی بھی نہیں کھولی۔ وہ اور کوئی تحفہ وصول کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ آج وہ کھڑکی کھولے گا تو ہوا بھی نہیں آئے گی۔

وہ دیر تک کرسی پر بیٹھا اس روز کے واقعات پر غور کرتا رہا۔ اندھیرا گہرا ہوتا گیا۔ اسے وقت کا احساس ہی نہیں تھا۔ وہ سوچے جارہا تھا یہ کیسا جنم دن ہے اور وہ بھی پچیسواں جنم دن۔ ایسا جنم دن کہ زندگی کا اگلا دن بھی گزارنا ناممکن معلوم ہو رہا ہے۔ جیب بالکل خالی ہے۔ اس کی جیب میں اپنے تین چار سو روپے تھے مگر عاقلہ کے پیسوں کے ساتھ وہ بھی صاف ہوگئے تھے۔ اب اس کے پاس ایک پیسہ بھی نہیں تھا۔

اچانک اسے بھوک کا احساس ہوا۔ جیب خالی ہو تو بھوک بہت زیادہ لگتی ہے اور بہت زیادہ ضد بھی کرتی ہے۔ وہ جانتا تھا کہ آج رات بھوک اسے بہت ستائے گی اور رات کیا یہاں تو صبح کا آسرا بھی نہیں..........

ایک سریلی آواز نے اسے چونکا دیا "کیوں پریشان ہو ذہین اختر؟"

ذہین اختر کے کان تو ضرور کھڑے ہوئے لیکن اس نے اس آواز کو نظرانداز کر دیا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ کھڑکیاں بند تھیں۔ اندر کوئی نہیں آسکتا تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے ذہین اختر۔" سریلی آواز پھر سنائی دی۔

اس بار ذہین اختر نے سر گھما کر ادھر ادھر دیکھا۔ اسے صرف اتنا احساس ہوا کہ کمرے میں گہرا اندھیرا ہے۔ کچھ نظر آنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں تھا۔

"میں یہاں ہوں ذہین اختر۔ تمہارے پیچھے۔"

ذہین اختر نے پلٹ کر دیکھا اور دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا۔ اسے ایک بے حد روشن نسوانی چہرہ نظر آیا۔ اس چہرے کے سوا وہ کچھ نہ دیکھ سکا۔ وہ یقیناً کسی گہرے رنگ کے لباس میں ہوگی جو اس اندھیرے میں نظر نہیں آسکتا تھا۔ وہ اس چہرے کو غور سے دیکھتا رہا۔ وہ غیر معمولی چہرہ تھا۔ اس سے روشنی کی شعاعیں پھوٹتی محسوس ہو رہی تھیں۔ بے حد خوب صورت جھیل سی گہری آنکھیں تھیں۔ جن میں ان گنت ستارے سے جھلملاتے نظر آرہے تھے۔

جب کسی پُر امید جوان آدمی کا ذہن مایوسی کے اتھاہ اندھیروں میں ڈوب جائے تو وہ تصور کے زور پر ایسے روشن ہیولے تراشتا ہے۔ ذہین اختر نے سوچا۔ وہ اس چہرے کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا "بس اب غائب ہو جاؤ۔ میں نے تمہاری حقیقت سمجھ لی ہے۔" وہ بڑبڑایا لیکن وہ چہرہ غائب نہیں ہوا۔ ذہین اختر نے پوری قوت سے اپنی گدی پر ہاتھ مارا لیکن اب بھی کچھ نتیجہ نہیں نکلا۔

چمکیلے سفید دانت کھلے.......... جھلملائے۔ وہ مسکرا رہی تھی "یقین نہیں آرہا ہے نا؟" پھر وہی سریلی آواز!

"تم ہو کیا بلا؟"

"بلا نہیں، میں دیوی ہوں۔"

ذہین اختر بے اختیار مضحکہ اڑانے والی ہنسی ہنسنے لگا۔ صرف چہرہ، نیچے کچھ بھی نہیں۔ اس نے سوچا۔

اسی وقت لائٹ آگئی۔ روشنی اتنی تیز تھی کہ اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ اسے یقین تھا کہ اب آنکھیں کھولے گا تو وہ واہمہ غائب ہو چکا ہو گا۔ کوئی واہمہ روشنی کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔ یہ سب اندھیرے کے کھیل ہیں اور جہالت اور ضعیف الاعتقادی بھی اندھیرا ہی ہوتی ہے۔

لیکن اس نے آنکھیں کھولیں تو وہ بدستور اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اب وہ صرف چہرہ نہیں مکمل تھی۔ وہ بہت خوب صورت سرخ لباس پہنے تھی۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ کسی زاویے سے بھی وہ وہم نہیں لگ رہی تھی۔

ذہین اختر پلٹ کر دروازے کی طرف گیا اور اسے چیک کیا۔ دروازہ مقفل تھا۔ کوئی باہر سے اسے نہیں کھول سکتا تھا۔ واپس آکر اس نے کھڑکیوں کو دیکھا۔ وہ بھی بند تھیں۔ فوراً ہی وہ جھینپتے ہوئے انداز میں مسکرایا۔ پانچویں منزل کی کھڑکی کھلی بھی ہو تو کیا فرق پڑتا ہے کوئی کیسے اوپر آسکتا ہے۔ جبکہ یہاں کوئی چھجا بھی نہیں۔

لڑکی مسلسل اسے دیکھے جارہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر ملکوتی مسکراہٹ تھی "یقین نہیں آرہا ہے میرے وجود پر؟" اس نے پوچھا۔

"ابھی آجائے گا۔" ذہین اختر نے کہا اور لڑکی کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کے بالکل سامنے پہنچ کر وہ رک گیا۔ وہ اسے غور سے دیکھتا رہا۔ وہم اتنا مکمل تو نہیں ہو سکتا۔ وہ ایک بے حد حسین لڑکی تھی۔ ایسا فریب نظر، ایسی خوش امیدی۔

"اتنا گھور کر کیوں دیکھ رہے ہو؟" لڑکی نے اٹھلا کر کہا۔

"ابھی بتاتا ہوں۔" ذہین اختر نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر لڑکی کے بازو پر پوری قوت سے چٹکی بھری۔ لڑکی کی سریلی چیخ بالکل حقیقی تھی "یہ کیا بدتمیزی ہے؟" لڑکی نے غصے

سے کہا۔

"یقین کرنا چاہ رہا تھا کہ یہ خواب نہیں ہے۔" ذہین اختر نے سادگی سے کہا۔

لڑکی تکلیف میں تھی۔ وہ دوسرے ہاتھ سے اپنے بازو کو اسی جگہ سہلا رہی تھی جہاں ذہین اختر نے چٹکی بھری تھی "آدمی یہ یقین کرنے کے لئے اپنے چٹکی بھرتا ہے۔" اس نے تلخی سے کہا۔

"میں اپنے چٹکی بھرنے کا قائل نہیں۔ اپنی تکلیفیں ویسے ہی کم نہیں کہ میں ان میں اور اضافہ کروں۔"

"تم بہت بدتمیز اور غیر مہذب آدمی ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ میری ڈیوٹی تم پر لگائی گئی۔"

"ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔" ذہین اختر نے کہا پھر پُر خیال لہجے میں بولا "تو تم وہم نہیں دیوی ہو؟"

"تم دیکھ ہی رہے ہو۔"

"میں صرف دیکھ کر یقین نہیں کرتا۔ پرکھنے والا آدمی ہوں۔" ذہین اختر نے کہا اور اس کے کھلے بالوں کو تھام کر پوری قوت سے جھٹکا دیا۔ کئی جھٹکے دیئے۔ دیوی بری طرح چیخی۔ وہ اب رو رہی تھی "لگتی تو اصلی ہی ہو۔" ذہین اختر نے کہا "لیکن میں دیو اور دیویوں پر یقین نہیں رکھتا۔"

دیوی کا پورا وجود سسکیوں سے لرز رہا تھا "تم بہت ظالم آدمی ہو۔" وہ سسکتے ہوئے بولی "تم کسی انعام کے مستحق نہیں معلوم ہوتے۔ لیکن اپنے معاملات وہ ہی جانے۔"

ذہین اختر اب اچنبھے میں تھا۔ یہ سب کیا ہے؟ اس کا دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔ پہلے تو اتنا خراب دن گزرا اور اب یہ مصیبت۔ یہ ہو کیا رہا ہے "دیکھو بے بی، اپنی ان زیادتیوں پر مجھے افسوس ہے۔" اس نے کہا۔ اس کے لہجے میں تاسف ہرگز نہیں تھا "لیکن بہتر یہی ہے کہ سچ سچ بتا دو۔ تم کون ہو۔ میں دیویوں کا وجود ہی نہیں مانتا۔ وہ

صرف کہانیوں میں ہوتی ہیں اور تخیل میں۔"

"ٹھیک ہے بتاتی ہوں۔" دیوی نے کہا۔ اب اس کی سسکیاں ختم ہو گئی تھیں "میں تمہاری خوش قسمتی ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کی عنایت ہوں۔ یہ اس کی مصلحت ہے کہ اس نے مجھے انسانوں کے پسندیدہ ترین لیکن غیر حقیقی روپ میں تمہارے پاس بھیجا۔ تم بہت خوش نصیب ہو۔ ورنہ ایسا ہوتا نہیں ہے۔"

"یہ میں جانتا ہوں کہ میں کتنا خوش نصیب ہوں۔" ذہین اختر نے تلخی سے کہا "یہ بتاؤ یہاں کیوں آئی ہو؟"

"خوش قسمتی کیوں آتی ہے کسی کے پاس۔" دیوی نے چڑ کر کہا "انسان کو مستقبل سنوارنے کا موقع دینے کے لئے۔ بدنصیب انسان اس کی قدر نہیں کرتا اور اپنے مستقبل کو ہمیشہ کے لئے تاریک کر لیتا ہے۔ بیشتر لوگوں کے دروازے پر میں دستک دیتی ہوں مگر وہ سوتے ہی رہتے ہیں اور میں تین بار سے زیادہ کسی دروازے پر دستک نہیں دیتی۔"

"تقریر بہت اچھی کر لیتی ہو۔" ذہین اختر نے کہا "میں پوچھ رہا ہوں کہ میرے پاس کس لئے آئی ہو؟"

"آج تمہارا پچیسواں جنم دن ہے۔ میں تمہیں سالگرہ کی مبارکباد اور سالگرہ کا تحفہ دینے کے لئے آئی ہوں۔"

"مبارکباد تم نے دے دی۔ میں نے قبول نہیں کی۔ دن بھر مجھے ایسی ایسی مبارکبادیاں ملی ہیں کہ مبارکباد سے دل ڈرنے لگا ہے۔ اب بات کرو تحفے کی۔ اگر کوئی ڈھنگ کا تحفہ ہے تو مجھے دے دو۔ ورنہ اپنا راستہ ناپو۔" ذہین اختر نے اس کے سامنے ہاتھ پھیلا دیا۔

"تحفہ ایسا نہیں کہ ہاتھ میں دیا جائے۔" دیوی نے کہا "میں تمہارے لئے تین خواہشوں کی منظوری لے کر آئی ہوں۔ تم جیسی چاہو تین خواہشیں کرو وہ پوری ہو جائیں گی۔"

"سنو لڑکی، تم مجھے کوئی بہت بڑا سائنٹفک فراڈ معلوم ہوتی ہو۔" ذہین اختر نے

سخت لہجے میں کہا "تمہارے وجود کی اس سے بہتر توجیہہ میں نہیں کر سکتا۔"

"بدنصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جو اپنی خوش قسمتی پر یقین نہیں کرتے۔" دیوی نے فلسفیانہ لہجے میں کہا "خیر تم اپنی تین خواہشیں بیان کرو اور میری جان چھوڑو۔"

"میں مار مار کر تم سے سچ اگلوانے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔ لیکن تمہاری خوش قسمتی ہے کہ میں عورت پر ہاتھ اٹھانے کا قائل نہیں ہوں۔" ذہین اختر نے تند لہجے میں کہا "مگر بندہ بشر ہوں۔ میرا ضبط جواب دے سکتا ہے۔ اسی لئے تمہاری عافیت کی خاطر میں خواہش کرتا ہوں کہ تم یہاں سے فوراً دفع ہو جاؤ۔"

یہ الفاظ ادا ہوئے ہی تھے کہ دیوی سامنے کھڑے کھڑے یوں غائب ہو گئی' جیسے کہ موجود ہی نہیں تھی۔ ذہین اختر آنکھیں پھاڑے اس خالی جگہ کو دیکھتا رہا۔ اچانک دیوی کی سریلی آواز ابھری "تم بہت گھٹیا اور چھوٹے انسان ہو ذہین اختر۔ اور گھٹیا پن اور چھوٹا پن بد قسمتی کی علامت ہوتا ہے۔ تم نے اپنی ایک قیمتی خواہش اپنے گھٹیا پن کی نذر کر دی۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے۔ تم اس کے مستحق تھے۔ میں کسی انسان کے پاس جاتی ہوں تو مجھے اس سے محبت ہوتی ہے۔ تم پہلے انسان ہو جس سے مجھے نفرت ہوئی ہے۔ بد قسمتی سے تمہارا اور میرا تعلق ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔ تمہارا دو خواہشوں کا کوٹہ ابھی باقی ہے۔ جب طلب کرنی ہو' تین بار تالی بجانا۔ میں آجاؤں گی کاش ایسا جلدی ہو جائے۔"

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ ذہین اختر اس خود فریبی پر غور کرتا رہا۔ وہ فریب بھری بھی تھا اور سمی بھی۔ اس کے اندر دبا دبا یہ خیال تھا کہ یہ سب حقیقت بھی ہو سکتا ہے لیکن وہ نئے زمانے کا روشن خیال آدمی تھا۔ جانتا تھا کہ اس برے وقت میں اسے وقت کو منانے کی کوئی ترکیب سوچنی ہے۔ خود فریبی میں وقت ضائع کرنا اس وقت میں مکمل تباہی اور موت کے مترادف ہے۔ اس وقت تو اسے کسی فریب میں مبتلا ہونے کے بجائے اس مشکل سے نکلنے کی کوئی ترکیب سوچنی ہے۔

لیکن وہ کچھ سوچ نہیں سکا۔ اسے کچھ نہیں سوجھا۔ بھوک جب اپنے بڑے بڑے دانتوں سے جسم کے اندر کاٹتی ہے تو دماغ کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ اسے بھوک لگ رہی

تھی لیکن کھانا ملنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ وہ کسی سے پیسے بھی نہیں مانگ سکتا تھا۔ وہ پوری رات نہیں سو سکا۔ بستر پر لیٹتا تو کروٹیں بدلنے لگتا۔ بے چینی بڑھتی تو اٹھ کر ٹہلنے لگتا۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ رات کے کھانے سے محروم معدہ اب ناشتے کا سوال کر رہا تھا اور ناشتے کا کوئی امکان نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کے پاس اپنی رسٹ واچ سمیت کچھ چیزیں تھیں' جنہیں وہ فروخت کر سکتا تھا لیکن ایک تو یہ مسئلے کا کوئی حل نہیں تھا۔ آگے نہ جانے کیا وقت آئے تب ایسا نہ ہو کہ یہ آسرا بھی نہ رہے۔ دوسرے وہ جانتا تھا کہ ہزار کی چیز کے سو بھی نہیں ملیں گے۔ اور لٹنا' بے وقوف بننا اسے پسند نہیں تھا۔

تو پھر کیا ہو؟ بھوک اسے یوں بے حال کئے دے رہی تھی کہ لگتا تھا اب وہ گر پڑے گا۔ ایسے میں اسے عاقلہ کا خیال آگیا۔ ہاں اب وہ اس کے لئے امید کی آخری کرن تھی۔

☆--------------○--------------☆

ساڑھے آٹھ بجے وہ اس راستے پر کھڑا تھا' جس سے گزر کر عاقلہ اپنے دفتر جاتی تھی۔ وہ خاصی دور کھڑا ہوا تھا۔ یہ ضروری تھا اس لئے کہ عاقلہ اسے اپنے باس سے شادی کے متعلق بتا چکی تھی۔ بلکہ اس نے تو اسے فون تک کرنے سے منع کر دیا تھا۔

وہ ایک درخت کے ساتھ کھڑا انتظار کرتا رہا۔ نو بجنے میں پانچ منٹ پر وہ اسے آتی دکھائی دی۔ ہینڈ بیگ اس کے کندھے سے جھول رہا تھا۔ انداز میں وہی مخصوص بے نیازی تھی' جو مردوں کو اسے بار بار دیکھنے پر اکساتی تھی لیکن ذہین اختر جانتا تھا کہ وہ بے نیازی صرف ظاہری ہے۔ وہ اردگرد موجود ہر مرد کو اچھی طرح دیکھ رہی ہوتی تھی۔

وہ قریب آئی تو ذہین اختر اچانک اس کے سامنے آگیا "ہیلو ڈارلنگ۔" اس نے کہا۔

عاقلہ اسے دیکھ کر ہڑبڑائی۔ غیر ارادی طور پر اس کے قدم سست پڑ گئے "میں نے تمہیں منع کیا تھا۔" اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے یاد ہے لیکن یہ ضروری تھا۔ میں بڑی مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ صرف تم

ہی میری مدد کر سکتی ہو۔"

عاقلہ اب بھی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی جیسے اس کے ساتھ دیکھ لئے جانے سے خوف زدہ ہو "میں اس وقت کوئی بات نہیں کر سکتی۔" اس نے تیز لہجے میں کہا "دفتر کا وقت ہو رہا ہے۔ میں لیٹ نہیں ہونا چاہتی۔"

"باس کی ہونے والی بیوی کو ایسی باتوں کی پروا نہیں ہونی چاہئے۔" ذہین اختر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"یہ میں زیادہ بہتر جانتی ہوں کہ مجھے کس بات کی پروا کرنی ہے اور کس کی نہیں۔"

"میں نے کہا نا کہ مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔"

"دیکھو، دفتر قریب آگیا ہے۔ اچھا تم ایسا کرو کہ دو بجے فون کر لو۔"

"میں اتنی دیر انتظار نہیں کر سکتا۔"

"اس سے پہلے ممکن نہیں، دو بجے انہیں ایک میٹنگ میں جانا ہے بس وہی وقت مل سکتا ہے۔"

"یہ "انہیں" تم اپنے باس ہی کو کہہ رہی ہو نا؟" ذہین اختر نے طنزیہ لہجے میں کہا "خیر چھوڑو اس بات کو آج لنچ پر ہی مل لو نا۔"

"ممکن ہوتا تو مل لیتی۔ بس یہی ایک صورت ہے کہ دو بجے فون کر لو۔ میں تو اس کے حق میں بھی نہیں ہوں۔ لیکن تم کہتے ہو کہ یہ ضروری ہے۔"

"ضروری ہے۔" ذہین اختر نے زور دے کر کہا "لیکن عاقلہ، میرے پاس تو فون کرنے کے لئے بھی پیسے نہیں ہیں۔"

اس پر عاقلہ نے اسے گھور کر دیکھا لیکن شاید اس لئے کچھ نہیں کہا کہ اب وہ دونوں دفتر کے بہت قریب پہنچ چکے تھے۔ اس نے بیگ کھول کر دس کا ایک نوٹ نکالا اور ذہین اختر کی طرف بڑھا دیا۔

"کچھ اور بھی دے دو۔ میں نے کل دوپہر کے بعد سے اب تک کچھ نہیں کھایا

ہے۔" ذہین اختر نے فریاد کی۔

لیکن عاقلہ آگے جا چکی تھی۔ اس نے پلٹ کر اسے دیکھا "اس وقت میرے پاس تمہارے لئے بس یہی کچھ ہے اور ہاں.......... دو بجے سے پہلے فون مت کرنا۔" ذہین اختر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ دس کے نوٹ کا حساب لگانے میں مصروف ہو گیا تھا لیکن حساب کتاب اور وہ بھی دس روپے کے ایک نوٹ کا۔ کیسا مقام عبرت ہے۔ اس نے سوچا لیکن حساب تو لگانا تھا۔

وہ گھر سے یہاں تک پیدل آیا تھا۔ کیسے آیا تھا، یہ اس کا دل ہی جانتا تھا اور اب اس میں پیدل واپس جانے کی ہمت نہیں تھی، گزشتہ روز سے پیدل چلنے کا یہ منحوس چکر شروع ہوا تھا۔ اب تک اس کے جسم کا انجر پنجر ڈھیلا ہو چکا تھا۔ اس پر مستزاد بھوک۔ کل دوپہر ڈیڑھ بجے کے بعد سے اس کے منہ میں اڑ کر کھیل تک نہیں گئی تھی۔

تو حساب اتنا مشکل بھی نہیں تھا۔ پہلی ضرورت گھر واپس جانے کے لئے تین روپے کی تھی۔ فون کال بھی ضروری تھی۔ چار روپے اس کے ہو گئے۔ باقی بچے تین روپے اس میں وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ تین روپے میں! تین روپے میں آدمی کیا کر سکتا ہے۔ اس مہنگائی کے زمانے میں؟ چنے مل سکتے ہیں کہ کھا کر اوپر سے پانی پی لیا جائے۔ آدھا درجن زیرے والے نمکین بسکٹ مل سکتے ہیں۔ یا پھر چائے مل سکتی ہے۔ ان میں سے دو چیزیں ایک ساتھ نہیں مل سکتیں۔ کوئی ایک چیز لے لو۔ اس نے خود سے کہا۔ بسکٹوں کے آئیڈیے کو اس نے مسترد کر دیا۔ ان سے پیٹ بھی نہیں بھرتا اور پیسے بھی ختم ہو جاتے۔ چنے البتہ بھوک کو معقول حد تک کم کر سکتے تھے لیکن پھر سر کے اس درد کا کیا ہوتا جو چائے کی طلب کی وجہ سے ہو رہا تھا۔

پھر اس نے فیصلہ کر لیا۔ پہلے کرائے کی مد میں تین روپے خرچ کرنا مناسب رہے گا۔ پہلے گھر چلا جائے۔ یہاں پانچ گھنٹے گزارنا بڑا مسئلہ ہو گا۔ وہاں وہ گھر میں آرام تو کر سکے گا۔ فون وہاں سے بھی کیا جا سکتا ہے پھر باقی تین روپے کا فیصلہ بھی ہو جائے گا۔

وہ منی بس کے اسٹاپ کی طرف چل دیا۔

لیکن گھر پہنچتے پہنچتے سر کا درد اتنا شدید ہوگیا کہ تین روپے کا فیصلہ پہلے ہوگیا۔ اس نے چائے کی پیالی لی اور ایک ایک گھونٹ سے اس طرح لطف اٹھایا کہ تین روپے کی چائے کی افادیت تیس روپے تک پہنچ گئی۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ بھوک کم از کم گھنٹے دو گھنٹے کے لئے دب گئی۔

ایک سو چار سیڑھیوں کا عذاب جھیل کر وہ اوپر پہنچا۔ کھڑکیاں کھول کر وہ پلنگ پر دراز ہوگیا۔ ہوا کے جھونکے آئے تو سر کا درد دور ہوگیا۔ ہوا نے ہی تھپک تھپک کر اسے سلا دیا۔ آنکھ کھلی تو ڈیڑھ بج چکا تھا۔ وہ بھوک کے احساس سے جاگا تھا شاید بھوک نہ لگتی تو وہ سوتا رہتا اور فون کا وقت بھی نکل جاتا۔

منہ ہاتھ دھو کر وہ نیچے آیا۔ ٹھیک دو بجے وہ پبلک کال آفس میں داخل ہوا۔ اس نے عاقلہ کا فون نمبر دیتے ہوئے نمبر ملانے والے سے کہا "سنو بھائی۔ میرے پاس صرف ایک کال کے پیسے ہیں۔ اس لئے کال کا ٹائم پورا ہوتے ہی رابطہ منقطع کر دینا۔"

نمبر ملانے والے نے اسے ہمدردانہ نظروں سے دیکھا لیکن کہا کچھ نہیں۔ نمبر ملانے لگا "آپ پلیز اس بوتھ میں چلے جائیں۔" اس نے اشارہ کیا۔

ذہین اختر شیشے کے بنے اس بوتھ میں چلا گیا۔ نمبر ملانے والے کے اشارے پر اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ باہر نمبر ملانے والے نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

"ہیلو" دوسری طرف سے عاقلہ کی آواز ابھری۔

"عاقلہ' میرے پاس صرف ایک ہی کال کے پیسے ہیں۔" ذہین اختر نے کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم پر کیا افتاد پڑی ہے۔" عاقلہ کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔

"کل سے اب تک پتا نہیں کیا کیا ہو چکا ہے میرے ساتھ۔" ذہین اختر جلدی جلدی بول رہا تھا۔ اس کی نظریں کلائی پر بندھی گھڑی پر تھیں۔ "مالک مکان نے کل مجھے ایک ہفتے کا نوٹس دیا۔ پیر تک میں نے چھ ماہ کا کرایہ ادا نہیں کیا تو وہ میرا سامان اٹھا کر کھڑکی کے راستے باہر پھینک دے گا۔"

"تمہارا کیا جائے گا۔" عاقلہ نے ہنستے ہوئے کہا "تمہارا سامان تو میں دیکھ چکی ہوں۔"

وقت کم تھا۔ اس لئے ذہین اختر نے اس جملہ معترضہ کو نظر انداز کر دیا "پھر کل ہی مجھے نوکری سے نکال دیا گیا۔ میری تنخواہ ایڈوانس کی مد میں کاٹ لی گئی۔ مجھے دفتر سے دھیلا بھی نہیں ملا۔ تین سو سے کچھ اوپر رقم میرے پاس تھی۔ ساڑھے نو سو روپے تمہارا ہزار کے نوٹ سے بچے تھے۔ کل تم سے ملنے کے بعد واپس آتے ہوئے میری جیب کٹ گئی۔ مجھے گھر بھی پیدل آنا پڑا۔ کل دوپہر سے اب تک میں نے صرف ایک پیالی چائے پی ہے۔"

"میں نہیں مانتی کہ تمہاری جیب کٹ سکتی ہے۔"

ذہین اختر کا دماغ گھوم گیا "ارے تو کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں!" وہ چلایا۔

"میرے خیال میں تم اسے ڈراما کرنا کہتے ہو۔" عاقلہ نے سرد لہجے میں کہا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں عاقلہ۔" ذہین اختر نے لہجہ نرم کرلیا "ورنہ میں اس وقت تم سے تمہاری ممکنہ شادی کے بارے میں بحث کر رہا ہوتا۔"

"ممکنہ نہیں یہ شادی اس جمعے کو سچ مچ ہو رہی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں مدعو نہیں کرسکوں گی اور اس میں بحث کی گنجائش نہیں۔ تم خوب جانتے ہو کہ ہم نے کس منزل کے لئے سفر شروع کیا تھا۔ میں عاقلہ ہوں اور تم ذہین ہو لیکن پیسہ نہ ہو تو عقل اور ذہانت بھی بے کار ہوتی ہے۔ یہ تم بھی جانتے ہو' پہلے میں دولت حاصل کرلوں پھر اپنی عقل استعمال کروں گی اور ممکن ہے کہ میری عقل اور تمہاری ذہانت کا بھی میل ہو جائے۔"

"وہ تو جب ہوگا کہ میں زندہ رہوں۔"

"تم چاہتے کیا ہو؟"

"نہیں سمجھیں۔ مجھے مالی مدد کی ضرورت ہے۔ کچھ کھاؤں گا' زندہ رہوں گا تو کوئی دوسری ملازمت تلاش کرسکوں گا۔ ذہانت استعمال کرسکوں گا۔"

"سوری ذہین' میں اس وقت تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ پیسے میرے پاس بھی نہیں ہیں۔"

"کیوں جھوٹ بولتی ہو اس بڈھے کھوسٹ سے شادی کر رہی ہو۔ پیسے کی کیا کمی ہے تمہیں۔"

"یقین کرو' اس وقت میرے پاس کچھ نہیں.........."

"تو بڈھے کھوسٹ سے لے کر مجھے دے دو۔"

"دیکھو ذہین اختر' میں شادی کے نام پر کاروبار کر رہی ہوں۔ لیکن کاروبار کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں۔ ابتدا ہی میں وقار گنوا دیا تو مجھے اس کاروبار میں نقصان ہی ہوگا۔ اور یہ میں نہیں چاہتی۔ میں اس سے کچھ نہیں مانگوں گی تو مجھے بن مانگے سب کچھ ملے گا۔"

"تمہاری ضرورت ہوتی تو یہ بات کبھی نہ کہتیں۔" ذہین اختر نے جل کر کہا "تمہارا گھٹیا پن سامنے آگیا نا۔"

"اپنے گھٹیا پن کا مجھے اعتراف ہے۔ میں یہ بھی جانتی تھی کہ میری طرح تم بھی گھٹیا ہو۔ مگر مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنے گھٹیا ہو۔ تم نے میرے اس جذبے کو نہیں سراہا کہ کل میرے پاس جو کچھ تھا میں نے سب تمہیں دے دیا۔ یہ سوچ کر مجھے تو منزل مل رہی ہے وہ رقم تمہارے زیادہ کام آئے گی۔ اب یہ تمہاری قسمت کہ تم جیسے آدمی کی جیب کٹ گئی۔ صبح میں نے تمہیں دس روپے دیے۔ اب میرے پاس بمشکل پچاس روپے ہیں اور مجھے تین دن گزارنے ہیں۔"

"میں کیا کروں۔ تم ہی میری مدد کر سکتی ہو۔"

"میں تمہیں بتا چکی ہوں.........."

"تمہارا گھٹیا پن کوئی غیر معمولی بات نہیں۔" ذہین اختر نے تپ کر کہا "آخر سقہ بچی ہو نا۔"

"...نے کا شکریہ۔" عاقلہ نے خشک لہجے میں کہا "لیکن تم بھول گئے کہ تم بھی

دھوبی زادے ہو۔ میں اور تم ایک جیسا پس منظر' ایک جیسے خواب اور خواہشیں رکھنے والے ایک ہی منزل کے راہی ہیں۔ میں نے سوچا تھا کہ شادی کے بعد ہر طرح سے تمہاری مدد کرتی رہوں گی لیکن اب میں کبھی تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔ گیٹ لوسٹ۔"

رابطہ کٹ گیا۔ عاقلہ نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا تھا۔ ذہین اختر چند لمحے یوں کھڑا رہا جیسے جسم بے روح ہوگیا ہو پھر وہ تھکے تھکے قدموں سے بوتھ سے نکل آیا۔

☆-------------○-------------☆

وہی ایک سو چار سیڑھیاں' وہی کمرا اور وہی ہوا کے جھونکے لیکن سب کچھ بدل گیا تھا۔ وہ بستر پر دراز تھا۔ عاقلہ کے لفظوں کی کاٹ اتنی شدید تھی کہ بھوک کا احساس بھی دب گیا تھا۔ اسے یہ احساس بھی تھا کہ پہل اس نے کی تھی۔

دھوبی زادہ! ہاں یہ حقیقت ہے۔ وہ دھوبی زادہ ہے اور عاقلہ سقہ بچی ہے۔ دونوں کے مزاج ایک جیسے تھے۔ دونوں نے کم عمری سے ایک ہی جنگ لڑنا شروع کر دی تھی۔ دونوں نے اپنے ماضی سے.......... اپنے شجرے سے ناتا توڑ لیا تھا۔ دونوں ایک درخشاں مستقبل کی تلاش میں نکلے تھے۔ دونوں پیسے کے زور پر نام و نسب کے داغ مٹانے کی غرض سے نکلے تھے۔ پیسے کا حصول ہی ان کے لئے سب کچھ تھا۔

ان کی پہلی ملاقات کالج میں ہوئی تھی۔ کالج میں دونوں کی ایک سی پوزیشن تھی۔ عاقلہ کالج کی مقبول ترین لڑکی تھی اور ذہین اختر مقبول ترین لڑکا تھا۔ دونوں بے حد امیر و کبیر اور معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ دونوں ذہین تھے۔ پڑھائی میں بھی بہت تیز تھے۔ پڑھائی پر بہت کم توجہ دیتے تھے اس کے باوجود تعلیمی اعتبار سے نمایاں رہتے تھے۔ اگر ان کی پوری توجہ تعلیم پر ہوتی تو یقینا ہر امتحان میں ٹاپ کرتے۔

دونوں نے اپنی جو ساکھ بنائی تھی اس کے پیچھے ایک ہی مقصد تھا۔ عاقلہ چاہتی تھی کہ کوئی دولت مند لڑکا اس سے متاثر ہو جائے اور ذہین اختر کسی امیر گھر کی لڑکی کی تلاش میں رہتا تھا مگر ہوا یہ کہ دونوں کی تدبیر ان دونوں ہی کو قریب لے آئی۔

ان کے حلقے کے دوست اور سہیلیاں اس نتیجے پر پہنچے کہ قدرت نے ان دونوں کو ایک دوسرے کے لئے بنایا ہے اور شاید تھا بھی ایسا ہی۔

ایک دن ذہین اختر کے ایک دوست نے کہا "یار ذہین تم بادشاہ ہو تو تمہاری ملکہ بھی اس کالج میں موجود ہے۔"

"کس کی بات کر رہے ہو۔" ذہین اختر کے کان کھڑے ہوئے۔

"ارے' ایک ہی لڑکی ایسی ہے۔ عاقلہ۔"

"کون عاقلہ؟"

"اس کی پہچان بہت آسان ہے۔ وہ کالج کی سب سے حسین لڑکی ہے۔"

"حسین لڑکیاں تو یہاں کم نہیں۔ تم کس کی بات کر رہے ہو؟"

"حسن اور وقار کا امتزاج اس کے سوا کسی کے پاس نہیں۔"

ذہین اختر کو عاقلہ کا جغرافیہ سمجھنے میں کچھ دیر لگی اور جب اس کی سمجھ میں آگیا کہ عاقلہ کون ہے تو وہ کچھ دیر تصور میں اسے تولتا رہا۔ وہ بلاشبہ بہت حسین لڑکی تھی۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ کوئی اسے ایک بار دیکھے اور پھر دیکھنے کی خواہش نہ کرے۔ خود ذہین اختر بھی اس کے حسن سے متاثر تھا۔ بارہا اسے دیکھ چکا تھا بلکہ بغور دیکھتا رہا تھا۔

"ہاں.......... صورت شکل کی تو اچھی ہے۔" اس نے بے نیازی سے کہا۔

"اچھا؟" جمیل نے اس پر آنکھیں نکالیں "حسن کا ذوق سب کا مختلف ہوتا ہے لیکن میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ ہر ایک کو حسین لگے گی۔"

"ہاں ٹھیک ہے لیکن میرے اس کے اسٹیٹس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟"

"ارے بھئی' سیدھی سی بات ہے' وہ بس میں سفر کرتی ہے۔"

"تو تم بھی اسے دیکھتے رہے ہو۔" جمیل نے شوخی سے کہا۔ پھر سنجیدہ ہو گیا "اور بس میں تو تم بھی سفر کرتے ہو۔"

"میری بات اور ہے۔" ذہین اختر نے مربیانہ انداز میں کہا "میں تو خود کو جانتا ہوں

نا۔ اور تم بھی جانتے ہو۔ میں کبھی صرف نصابی تعلیم کا قائل نہیں رہا۔ میں نے اسکول کالج میں زندگی کی تعلیم بھی حاصل کی ہے۔ ڈیڈی مجھے گرامر اسکول میں داخل کرانا چاہتے تھے لیکن میں نے گورنمنٹ اسکولوں میں پڑھا۔ عام بچوں کے ساتھ کھیلا کودا۔ عام بچوں کی طرح رہا۔ پانچویں تک مجھے ماہانہ جیب خرچ ایک ہزار روپے ملتا رہا۔ اس کے بعد دو ہزار ہو گیا۔ میٹرک کرتے کرتے میرا بینک بیلنس ڈیڑھ لاکھ سے اوپر ہو چکا تھا۔ میں گھر سے دو روپے لے کر نکلتا تھا۔ ہاف ٹائم میں بن کباب یا آلو چھولے کھاتا تھا۔ اب کالج میں مجھے پانچ ہزار جیب خرچ ملتا ہے لیکن میں دس روپے لے کر کالج آتا ہوں۔ تم صدر کے علاقے میں مجھے فٹ پاتھ پر بیٹھ کر اوجھڑی کھاتے دیکھو گے تو تمہیں یقین نہیں آئے گا۔ میں نے زندگی کو خوب برتا ہے۔ اسے ہر زاویے سے' ہر رنگ میں دیکھا ہے۔ میں گریجویشن کروں گا تو میرے پاس اپنے چار لاکھ روپے ہوں گے۔ میں ڈیڈی کے کاروبار میں نہیں گھسوں گا۔ اپنا کاروبار جماؤں گا' اپنا تجربہ' اپنا مشاہدہ' اپنی صلاحیتیں ان پر ثابت کروں گا۔ میں خود کچھ بننے کا قائل ہوں۔ پدرم سلطان بود سے کام نہیں چلاتا۔ باپ کی وراثت پر تکیہ نہیں کرتا۔" اس نے ایک گہری سانس لی "اور سچ کہوں مجھے اس عوامی زندگی میں لطف آتا ہے۔"

"اسی لئے تو کہتا ہوں کہ برابر کا جوڑ ملا ہے۔" جمیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ ہے ذہین اختر کہ تم نے یہ سب کچھ خود قبول کیا۔ عاقلہ پر اس کے والدین نے تربیت کے نام پر یہ سب کچھ تھوپ دیا۔ اسے زیادہ جیب خرچ نہیں دیا جاتا کہ فضول خرچی کی عادت نہ پڑے۔ گھر میں تین کاریں کھڑی رہتی ہیں لیکن اکیس سال عمر ہونے سے پہلے وہ ڈرائیو نہیں کر سکتی۔ اسے کالج چھوڑنے اور کالج سے لے جانے کے لئے کار نہیں آتی۔ وہ عام لڑکیوں کی طرح رہتی ہے مگر وہ کروڑ پتی باپ کی اکلوتی بیٹی ہے۔"

"اوہ' اس کے والدین یقیناً سمجھ دار ہیں۔" ذہین اختر نے دلچسپی سے کہا "لیکن

تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟"

"وہ میری دوست فرزانہ ہے نا' وہ عاقلہ کی سہیلی ہے۔" جمیل نے کہا "عاقلہ کی سہیلیاں اور تمہارے دوست سب اس پر متفق ہیں کہ تم دونوں ایک دوسرے کے لئے بنائے گئے ہو۔"

"لگتا تو مجھے بھی یہی ہے لیکن یار' مجھے ابھی شادی نہیں کرنی آگے اللہ کی مرضی۔"

"مگر مل تو لو اس سے۔"

"کیسے ملوں؟ یوں ملنا میرے وقار کے منافی ہے۔"

"اس کا بندوبست ہو جائے گا۔"

دوسری طرف عاقلہ سے اس کی ایک سہیلی نے بھی کم و بیش اسی طرح کی گفتگو کی۔ عاقلہ کا ردعمل بھی ذہین اختر جیسا ہی تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس نے ذہین اختر کو بھی غور سے نہیں دیکھا تھا۔ وہ غرور حسن اور احساس امارت کے مارے لڑکوں کو دیکھتی ہی نہیں تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس بے نیازی ہی کے نتیجے میں کبھی گوہر مقصود خود اس کے روبرو آکر دست سوال دراز کرے گا۔ سہیلیوں کے کہنے پر اس نے ذہین اختر کو دیکھا تو دیکھتی ہی رہ گئی۔ وہ بے حد خوبرو' نہایت وجیہہ تھا۔ اس کے انداز میں وقار تمکنت اور خود اعتمادی تھی۔ اس میں ہر وہ خوبی تھی جو کسی مرد میں ہونی چاہئے پھر اتنا دولت مند' اتنا سمجھدار اور اپنے اوپر انحصار کرنے والا لیکن ایک خلش رہ رہ کر اسے ستا رہی تھی۔ وہ بہت جانا پہچانا لگ رہا تھا۔ لگتا تھا' اسے کہیں دیکھا ہے۔ کہاں؟ یہ یاد آتے آتے دماغ اچانک خالی ہو جاتا تھا۔

"بھئی میں یوں کسی سے نہیں مل سکتی۔" اس نے اپنی سہیلی سے کہا "اور پھر کیوں ملوں۔ مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"اس لئے ملو کہ ہمیں لگتا ہے تم دونوں ایک دوسرے کے لئے بنائے گئے ہو۔"

"تمہیں لگتا ہو گا۔" عاقلہ نے بے زاری سے کہا۔

"دس دن بعد عفت کی سالگرہ ہے۔" سہیلی بولی "ہم سب وہاں مدعو ہیں۔"

عفت ایک متمول گھرانے کی لڑکی تھی لیکن عاقلہ نے ایسا رنگ جمایا تھا کہ وہ اس سے مرعوب رہتی تھی۔ ذہین اختر اسے ہمیشہ بہت اچھا لگا تھا مگر عفت نے اس کے بارے میں کبھی رومانوی انداز میں نہیں سوچا تھا۔ اس کے خیال میں اس پر صرف اور صرف عاقلہ کا حق تھا۔

ذہین اختر کو بھی عفت کی سالگرہ میں مدعو کر لیا گیا تھا لیکن اس سے پہلے ذہین اختر ایک اور اہم کام میں مصروف ہو گیا۔ وہ اس کام کو عفت کی سالگرہ سے پہلے نمٹا لینا چاہتا تھا۔ کام بہت اہم تھا مگر دشوار نہیں تھا۔ اسے عاقلہ کو چیک کرنا تھا۔ نہ جانے کیوں اسے رہ رہ کر احساس ہوتا تھا کہ وہ جعلی ہے۔ جو خود کو ظاہر کرتی ہے در حقیقت ہے نہیں۔

ذہین اختر عفت کی سالگرہ میں شرکت کے لئے گیا تو مکمل معلومات حاصل کر چکا تھا۔

وہ اس روز بہت اچھا لگ رہا تھا۔ لباس کے سلسلے میں اس نے خاص اہتمام کیا تھا۔ عفت ڈیفنس سوسائٹی کے ایک وسیع و عریض بنگلے میں رہتی تھی۔ سالگرہ کی تقریب بنگلے کے لان میں ہو رہی تھی۔ کالج سے مخصوص ساتھیوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ دیگر مہمانوں کی تعداد خاصی زیادہ تھی۔ عفت کی ہم عمر لڑکیاں بھی خاصی تعداد میں تھیں۔ وہ رنگ و نور کی محفل تھی۔

ذہین اختر تقریب میں شرکت کے لئے پہنچا تو سب کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ عاقلہ پہلے ہی آچکی تھی۔ عفت اسے ریسیو کرنے کے لئے لپکی "آپ کی آمد کا بہت شکریہ ذہین۔" اس نے کہا۔

"اس میں شکریہ کی کیا بات ہے۔ بہت کم ایسی تقریبات ہوں گی جن میں' میں اتنی خوشی سے شریک ہوا ہوں۔" ذہین اختر کے لہجے میں لگاوٹ تھی "نہ جانے کیا بات ہے۔"

عفت کی آنکھوں میں خواب اترنے لگے۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ ذہین اختر کا یہ لہجہ اس کے لئے ہے "آپ مجھے بنا رہے ہیں' بہرحال اس کا بھی شکریہ۔"

"اور یہ لیجئے آپ کا تحفہ۔ دلی دعاؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ۔ خدا آپ کو ایسے بے شمار جنم دن عطا فرمائے۔"

"بے حد شکریہ۔" عفت نے پیکٹ لیتے ہوئے کہا۔

"آپ شکریے کے معاملے میں کچھ زیادہ ہی فضول خرچ نہیں واقع ہوئی ہیں۔" ذہین اختر نے شوخی سے کہا "اور شکریے کا بکثرت استعمال اپنائیت کے منافی ہے جس کا میں خواہاں ہوں۔"

عفت شرمائی "ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"میں بہرحال رسمی تعلق کا قائل نہیں۔ اس لئے آپ سے ایک استدعا کر رہا ہوں جو آپ کو غیر معمولی لگے گی۔"

"جی فرمایئے۔" عفت نے بے حد اشتیاق سے کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ کو تمام مہمانوں کو انٹرٹین کرنا ہے پھر بھی آپ مجھے کمپنی دیتی رہئے گا۔"

عفت کا چہرہ تمتما اٹھا "کام مشکل ہے لیکن پھر بھی میں حاضر ہوں۔ ویسے آپ کے دو تین دوست بھی یہاں موجود ہیں۔"

"میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ مجھے کمپنی نہ دینے کا فیصلہ کر کے یہاں آئے ہیں۔" ذہین اختر نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"تو آیئے میں آپ کو اپنی ایک بہت پیاری کلاس فیلو سے ملوا دوں۔ شاید آپ دونوں پہلے بھی........"

"میں کسی سے ملنا نہیں چاہتا۔ میں صرف آپ کے لئے یہاں آیا ہوں۔"

عفت کا دل جھوم اٹھا۔ اسے لگا کہ کچھ دیر پہلے آنکھوں میں اترنے والے خوابوں کو تعبیر بھی مل گئی ہے۔ اسی وقت اس کی امی نے اسے آواز دے لی "ایکسکیوزمی" اس نے ذہین سے کہا "میں کوشش کروں گی آپ کو کمپنی دینے کی۔ لیکن مجھے آنے میں دیر ہو جائے تو مائنڈ نہ کیجئے گا۔ اتنے مہمانوں کے درمیان موقع مشکل ہی سے ملتا ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں آپ جائیں۔"

دور کھڑی عاقلہ نے یہ سب کچھ کن انکھیوں سے دیکھا تھا۔ وہ بھی اکیلی تھی' اس کی دو سہیلیاں بھی اس تقریب میں مدعو تھیں لیکن وہ ذہین اختر کے دوستوں کو کمپنی دے رہی تھیں۔ عاقلہ اس سیٹ اپ کو سمجھ رہی تھی۔ اس کی سہیلیوں نے اسے اور ذہین اختر کے دوستوں نے اسے تنہا چھوڑ دیا تھا۔ تاکہ وہ ایک دوسرے سے ملنے پر مجبور ہو جائیں۔ عاقلہ نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ پہل نہیں کرے گی۔ ذہین اختر خود اس کے پاس آئے تو آئے لیکن اب جو اس نے عفت اور ذہین اختر کو باتیں کرتے دیکھا تو اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہو گئی۔ ان دونوں کے انداز اور چہرے کے تاثرات کچھ اور ہی کہانی سنا رہے تھے۔ جو کھیل وہاں کھیلا جا رہا تھا وہ اس کے اصولوں بلکہ بے اصولیوں سے خوب واقف تھی۔ اس کھیل میں مداخلت کی ضرورت اس لئے تھی کہ ذہین اختر اپنی تمام تر خامیوں اور برائیوں سمیت اس کے دل میں اتر گیا تھا۔ وہ اس کی کمزوریوں سے واقف تھی اسے ہاتھ سے نکلتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

وہ بہت آہستگی سے سج سج اس کی طرف بڑھنے لگی "ہیلو ذہین اختر۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

ذہین اختر نے پلٹ کر اسے دیکھا "ہیلو عاقلہ۔"

"کس کی راہ دیکھ رہے ہو؟"

"کسی کی بھی نہیں۔ بور ہو رہا ہوں۔ اکیلا ہونے کی وجہ سے۔" ذہین اختر نے جواب دیا۔

"حالانکہ بور نہیں ہونا چاہئے۔" عاقلہ کے لہجے میں معنویت تھی "تمہیں یہاں جس کے لئے مدعو کیا گیا ہے اس کے پاس ہونا چاہئے تھا۔"

"اور وہ کون ہے؟"

"تم جانتے ہو کہ وہ میں ہوں۔" عاقلہ نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"مدعو کرنے والے غلطی کریں تو اس کا ذمے دار میں نہیں ہوں۔" ذہین اختر نے

سرد لہجے میں کہا۔

"وہ سب سمجھتے ہیں کہ تم اور میں ایک دوسرے کے لئے بنائے گئے ہیں۔"

"میں ایسا نہیں سمجھتا۔"

"لیکن میں نے یہ بات تسلیم کرلی ہے۔"

"تو یہ تمہارا دردِ سر ہے۔"

"تم اپنے موجودہ رول میں عفت کی طرف بڑھو گے نہ کسی اور لڑکی کی طرف۔ میں یہ برداشت نہیں کروں گی۔"

"تو مت کرنا۔" ذہین اختر نے بے پروائی سے کہا۔

"مجھ میں کمی کیا ہے؟" عاقلہ کے لہجے میں شوخی تھی۔

"کمی نہیں' زیادتی ہے مس قمرن نظام سقہ۔" ذہین اختر نے کاٹ دار لہجے میں کہا "تم فراڈ ہو۔"

"تو کیا ہوا۔" عاقلہ مسکرا رہی تھی' مسکراتی رہی۔ اس کے چہرے کا تاثر ذرا نہیں بدلا تھا "تمہاری دولت میرا پردہ رکھ لے گی۔"

"یہ ہو سکتا تھا۔" ذہین اختر نے بے حد وقار سے کہا "مسئلہ یہ ہے کہ مجھے فراڈ سخت ناپسند ہے۔"

عاقلہ بدستور مسکراتی رہی "تب تو مجبوری ہے مسٹر اللہ دتہ پیرو دھوبی۔"

ذہین اختر کا چہرہ فق ہوگیا جیسے جسم سے کسی نے تمام خون نچوڑ لیا ہو۔ اس نے چوروں کی طرح ادھر ادھر دیکھا لیکن قریب میں کوئی موجود نہیں تھا۔

"مسئلہ یہ ہے کہ مجھے فراڈ لوگ بہت اچھے لگتے ہیں۔ شاید اس لئے کہ میں خود فراڈ ہوں۔" عاقلہ نے کہا "میں واقعی یہ سمجھتی ہوں کہ ہم ایک دوسرے کے لئے بنائے گئے ہیں۔"

ذہین اختر خاموش رہا۔ وہ کچھ بول ہی نہیں سکتا تھا۔

"تم یقیناً ذہین آدمی ہو لیکن حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی ذہانت کو کھا جاتی

ہے۔" عاقلہ نے کہا "تم میرا پیچھا کرتے ہوئے جیکب لائن میرے گھر تک آئے۔ تمہیں یہ خیال کیوں نہیں آیا کہ تم بھی وہیں رہتے ہو تو میں نے بھی تمہیں کبھی نہ کبھی دیکھا ہوگا۔"

"تم نے مجھے دیکھا تھا؟"

"بارہا۔ دھوبی گھاٹ سے گزرتے ہوئے میں تمہیں دیکھتی تھی اور سوچتی تھی کہ تم کوئی رومن شہزادے ہو جو محلاتی سازشوں سے گھبرا کر یہاں بھاگ آیا ہے اور بنیان اور لنگی میں چھپا کپڑے دھو رہا ہے۔ تاکہ سازشی وزیر کے سپاہی اسے دیکھیں بھی تو پہچان نہ سکیں۔ کالج میں' میں نے تمہیں کبھی توجہ سے نہیں دیکھا۔ جب دکھایا گیا تو تم مجھے جانے پہچانے لگے مگر یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ تمہیں کہاں دیکھا ہے۔ کئی دن ذہن پر زور دیتی رہی۔ پیرو دھوبی کے کپڑے دھوتے ہوئے بیٹے اللہ دتہ اور کالج کے خوش لباس ذہین اختر میں فرق ہی اتنا زیادہ تھا مگر جس دن تم میرا پیچھا کرتے میرے گھر تک آئے اسی دن میں میری سمجھ میں آگیا کہ تم مجھے جانے پہچانے سے کیوں لگتے ہو۔ تصدیق کے لئے اس شام میں دھوبی گھاٹ کی طرف نکل گئی۔ اس روز میں نے تمہیں غور سے دیکھا۔ دیر تک دیکھا اور میری سمجھ میں سب کچھ آگیا۔"

ذہین اختر کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ وہ اس وقت خود کو گدھا محسوس کر رہا تھا۔ دھوبی کا گدھا' پیرو دھوبی کا گدھا۔ اسی وقت عفت ان دونوں کی طرف چلی آئی "ذہین صاحب' کمپنی کی ضرورت تو نہیں ہے آپ کو؟" اس نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

"شکریہ۔ میں اچھا وقت گزار رہا ہوں۔" ذہین اختر نے جواب دیا۔ عفت واپس چلی گئی۔ اس کی آنکھوں میں مایوسی تھی۔

"تم نے نام کب تبدیل کیا تھا؟" عاقلہ نے پوچھا۔

"ساتویں جماعت میں۔"

"میں نے بھی ساتویں جماعت میں ہی نام تبدیل کیا تھا۔" عاقلہ نے خوش ہو کر کہا "لیکن سوچو تو یہ کردار ادا کرنے میں مجھے تمہارے مقابلے میں بہت زیادہ مشکل پیش

آئی۔ خوش لباسی تمہارے لئے کوئی مسئلہ نہیں تھی۔ تمہارے پاس تو لباس ہی لباس تھے۔ مجھے اس سلسلے میں بڑے جتن کرنے پڑتے تھے۔"

"تمہیں آسان لگتا ہے۔ حالانکہ میری پول ہی خوش لباسی کی وجہ سے کھلی۔" ذہین اختر نے بھنا کر کہا۔

"ہاں یہ تو ہے۔" عاقلہ نے اثبات میں سرہلایا "خیر یہ طے ہوگیا کہ ہم دونوں ایک جیسے ہیں اور ایک دوسرے کے لئے بنے ہیں۔"

"تمہارے جملے کے آخری حصے پر مجھے اعتراض ہے۔" ذہین اختر نے کہا "یہ سب کچھ میں نے صرف اس لئے کیا ہے کہ مجھے برادری میں کسی دھوبی زادے یا سقہ بچی سے شادی نہ کرنی پڑے۔ ایسا ہوا تو میرے بچوں کو بھی وہی جدوجہد کرنی پڑے گی جو میں کر رہا ہوں۔"

"اس معاملے میں بھی ہم ایک جیسے ہیں۔" عاقلہ نے ہنستے ہوئے کہا "میں بھی کسی بچہ سقے یا دھوبی زادے سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن اب معاملہ مختلف ہے۔"

"کیا مطلب؟" ذہین اختر بری طرح بدکا۔

"تم مجھے اچھے لگے ہو۔ میں تم سے شادی ضرور کروں گی لیکن اس وقت جب ہم دونوں کا کوئی اسٹیٹس ہوگا۔ پہلی شادی نہ سہی' دوسری تم سے ضرور کروں گی میں۔"

"اب تم خود حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی حماقت............"

"سنو ذہین اختر' تم مجھ سے نجات حاصل نہیں کر سکو گے۔ یاد رکھنا' میں جو کہتی ہوں کر کے دکھاتی ہوں۔"

ذہین اختر دہل کر رہ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ ترپ کے تمام پتے عاقلہ کے ہاتھ میں ہیں "لیکن یوں تو یہاں کالج میں ہمارا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔" اس نے دبے دبے لہجے میں احتجاج کیا۔

"میں دیکھ چکی ہوں کالج میں ہمارا مقصد پورا بھی نہیں ہوگا اور یقین کرو میری دوستی سے تمہیں فائدہ بھی بہت پہنچے گا۔"

اور مستقبل میں عاقلہ کی یہ بات درست ہی ثابت ہوئی۔ ذہین اختر کو پہلی ملازمت عاقلہ ہی کی وجہ سے ملی تھی۔

وہ بی اے فائنل کا امتحان دے چکے تھے' نتیجے کا انتظار تھا۔ ایک دن عاقلہ دھوبی گھاٹ کے سامنے سے گزری۔ وہ پریشان دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے ذہین اختر کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ ذہین اختر اس کے پیچھے چل دیا۔ اپنے علاقے سے نکلنے تک وہ یونہی الگ الگ چلتے رہے پھر ذہین اختر نے قدم تیز کئے اور اس کے برابر پہنچ گیا "کیا بات ہے؟ خیریت تو ہے؟" اس نے عاقلہ سے پوچھا "اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟"

"بات ہی ایسی ہے۔ ابا نے میری شادی طے کر دی ہے۔" عاقلہ نے کہا۔ اب وہ دونوں قدم ملا کر چل رہے تھے۔

"چلو شکر ہے' دھوبی زادے سے تو بچ گئیں تم۔" ذہین اختر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مذاق کی بات نہیں۔" عاقلہ نے ترشی سے کہا "اب مجھے اپنا گھر چھوڑنا پڑے گا۔"

"اس کی کیا ضرورت ہے۔ تم اس رشتے سے انکار کر دو۔ پڑھی لکھی لڑکی ہو۔"

"تم جانتے ہو' ہمارے ہاں والدین لڑکی کے منہ سے انکار نہیں سنتے۔" عاقلہ نے کہا "ویسے بھی گھر تو مجھے چھوڑنا ہی تھا۔ یہاں رہ کر تو مجھے کچھ ملنے سے رہا۔"

"تو پھر کیا کرو گی؟ جاؤ گی کہاں؟" ذہین اختر سنجیدہ ہوگیا۔

"ابھی وقت ہے میرے پاس۔ سب سے پہلے تو ملازمت کی کوشش کروں گی۔"

"ملازمت" ذہین اختر نے سر جھٹکا "میں اب تک سینتالیس درخواستیں پوسٹ کر چکا ہوں' انٹرویو کال ایک بھی نہیں آئی۔"

"مجھے ملازمت مل جائے گی۔ میں نے تو اب تک کوشش ہی نہیں کی تھی۔ رزلٹ کا انتظار کر رہی تھی۔" عاقلہ نے بے حد یقین سے کہا "مگر اب یہ ضروری ہوگیا اور میں نے تم سے کہا تھا ناکہ تمہیں مجھ سے فائدہ پہنچے گا۔ اب وہ وقت بھی آگیا ہے۔"

میں تمہیں بھی ملازمت دلواؤں گی۔"

"مگر کرنا کیا ہوگا؟" ذہین اختر کے لہجے میں الجھن تھی۔

"اخبار تو تم روز خریدتے ہو؟" عاقلہ نے پوچھا۔ ذہین نے اثبات میں سرہلایا تو وہ بولی "ہم ہر صبح دس بجے صدر میں کیفے جہاں میں ملیں گے۔ تم اخبار لایا کرنا۔ درخواستیں لکھیں گے اور بھیجا کریں گے۔ چائے میرے ذمے ہوگی اس کی فکر نہ کرنا۔"

اس پروگرام پر عمل ہوا لیکن یہ سلسلہ زیادہ دیر نہیں چلا۔ آٹھویں دن پہلی انٹرویو کال آگئی۔ دونوں کی نہیں صرف عاقلہ کی۔ ذہین اختر کا منہ لٹک گیا "یہ منہ کیوں لٹکایا تم نے۔" عاقلہ نے ہنستے ہوئے کہا "اب تم دیکھنا کہ میں کیسا ساتھ نبھاتی ہوں۔ ملازمت پر ہم دونوں ساتھ ہی جائیں گے۔"

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"انٹرویو والے دن تم بھی میرے ساتھ چلو گے۔" عاقلہ نے کہا اور اسے پوری بات سمجھادی "برا نہ ماننا۔ اپنا کام نکالنے کے لئے دنیا میں بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔"

ذہین اختر یہ بات پہلے ہی سے جانتا تھا۔ برا ماننے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔

انٹرویو والے دن دونوں ساتھ گئے۔ ذہین اختر کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ انٹرویو کے لئے صرف لڑکیاں ہی آئی تھیں۔ وہ واحد مرد تھا اور یہ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ انٹرویو لیٹر کے بغیر آیا ہے۔ عاقلہ کی باری آئی اور وہ اندر چلی گئی۔ انٹرویو کی تفصیل ذہین اختر کو بعد میں عاقلہ سے معلوم ہوئی۔

کمپنی کے مالک کی عمر پچاس سے اوپر تھی لیکن دیکھنے میں وہ 35 سے زیادہ کا ہرگز نہیں لگتا تھا۔ عاقلہ کو چند لمحوں میں اندازہ ہوگیا کہ مالک کو وہ اچھی لگی ہے۔

"آپ جاب کیوں کرنا چاہتی ہیں؟" عاقلہ سے پوچھا گیا۔

"جاب میری ضرورت نہیں لیکن مجھے شوق ہے جاب کرنے کا۔" عاقلہ نے جواب دیا "اپنی تعلیم سے استفادہ بھی کرنا چاہئے۔"

"تب شاید آپ کو مایوسی ہوگی۔ ہم تنخواہ زیادہ نہیں دے سکیں گے۔"

"کوئی بات نہیں' میں نے کئی جگہ درخواست دے رکھی ہے۔"

"آپ نے پوچھا نہیں کہ ہم کتنی تنخواہ دیں گے۔"

"جو تنخواہ خود آپ کو کم لگ رہی ہے وہ مجھے تو بہت ہی کم لگے گی۔" عاقلہ نے بے نیازی سے کہا "جاب تو میں اپنی ہی شرائط پر کروں گی۔"

کمپنی کا مالک مسکرایا "بہت خوب مجھے تو لگ رہا ہے کہ انٹرویو میرا ہو رہا ہے۔ ویسے بائی دی وے آپ کی شرائط کیا ہیں؟"

"تنخواہ معقول ہو۔ ماحول اچھا ہو۔ جہاں عورت کی عزت کی جاتی ہو اور سب سے بڑی بات یہ کہ میری خوب صورتی کو نہ بنیادی قابلیت تصور کیا جائے نہ اضافی قابلیت۔"

"بہت خوب آپ کی بے نیازی میرے لئے نئی چیز ہے۔"

"آدمی ضرورت مند نہ ہو تو ایسا ہی ہوتا ہے۔" عاقلہ مسکرائی۔

"اصولاً مجھے یہ جاب کسی ضرورت مند کو دینی چاہئے لیکن میں یہ تجربہ بھی کرنا چاہتا ہوں اس لئے یہ جاب تو آپ کو نہیں دیتا لیکن اپنی سیکریٹری کی جاب کی آفر کرتا ہوں۔"

"تنخواہ کیا ہوگی؟" عاقلہ نے پوچھا۔

"دو ہزار روپے۔"

"سوری سر' یہ کم ہے۔" عاقلہ اٹھنے لگی۔

"بیٹھئے تو۔" مالک نے کہا "آپ کتنی تنخواہ چاہتی ہیں؟"

"تین ہزار۔"

"دیکھئے مس عاقلہ' میں بس ڈھائی ہزار دے سکتا ہوں۔"

"چلئے ٹھیک ہے۔ لیکن سر' ایک بات اور ہے۔"

"وہ بھی فرمائیے۔"

"میرے بھائی نے بھی میرے ساتھ ہی درخواست بھجوائی تھی۔ انہیں انٹرویو لیٹر نہیں ملا۔"

"کسی وجہ سے مردوں کی اسامیاں ہم نے ڈراپ کر دیں۔"

"سر، انہیں جاب ملے گی تو میں بھی جاب کر سکوں گی۔ ورنہ والد صاحب مجھے اجازت نہیں دیں گے۔"

"اوہ۔ لیکن سرِدست ہمارے ہاں تو جگہ نہیں ہے۔" مالک کچھ سوچنے لگا "خیر آپ انہیں لے آنا کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔"

"میں انہی کے ساتھ آئی ہوں سر۔ وہ باہر بیٹھے ہیں۔" عاقلہ نے کہا۔

مالک کو اس کی توقع نہیں تھی۔ وہ محسوس کرنے لگا کہ پھنس گیا ہے "کیا نام ہے ان کا؟"

عاقلہ نے ذہین کا نام بتایا۔ مالک نے چپراسی سے کہا کہ ذہین اختر کو کمرے میں بھیج دے۔ ذہین اختر آیا۔ مالک نے بڑی عزت سے اسے بیٹھنے کو کہا۔ اس کے کوائف پوچھے۔ مردوں کی درخواستیں شاید تلف کر دی گئی تھیں۔

ذہین اختر نے دیکھ لیا کہ مالک عاقلہ کو لگاوٹ بھری نظروں سے دیکھ رہا ہے۔

"ملازمت تو تمہیں آج ہی مل جائے گی مسٹر اختر۔" مالک نے کہا "لیکن زیادہ تنخواہ کی امید نہ رکھنا۔"

"مجھے صرف نوکری چاہئے سر۔" ذہین اختر نے کہا۔

مالک نے ایک ٹیلی فون نمبر ملایا اور کسی سے بات کرنے لگا۔ اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ ذہین اختر کی ملازمت کے لئے بات کر رہا ہے۔ ریسیور رکھنے کے بعد اس نے دراز کھول کر ایک کارڈ نکالا اور ذہین اختر کی طرف بڑھایا "تم اس پتے پر جا کر زمان صاحب سے مل لو۔ تمہارا کام ہو جائے گا۔" وہ عاقلہ کی طرف مڑا "اور مس عاقلہ آپ کل سے جوائن کرلیں۔ صبح نو بجے سے چھ بجے تک ڈیوٹی ہو گی۔ ایک بجے سے دو بجے تک لنچ کا وقفہ۔"

"شکریہ سر۔"

وہ دونوں باہر نکل آئے "یہ شخص تمہیں بھوکی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔" ذہین اختر نے شکایتاً کہا۔

"عملی زندگی میں ہر شخص مجھے ایسی ہی نظروں سے دیکھے گا۔" عاقلہ نے بے

پروائی سے کہا "لیکن میں خود کو بچانا جانتی ہوں اور مجھے یہ بھی یاد ہے کہ میں کس منزل کی تلاش میں نکلی ہوں۔ یہ بات تمہیں بھی یاد رکھنی چاہئے۔ اب تم اس پتے پر جاؤ اور کوئی اچھی خبر لے کر آؤ۔ میں بھی ایک کام نمٹا کر کیفے جہاں پہنچتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے ڈیئر۔" ذہین اختر نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

ذہین اختر کو بھی اس روز ملازمت مل گئی۔ وہ کیفے جہاں پہنچا تو عاقلہ پہلے ہی سے وہاں موجود تھی "کہو کیا خبر لائے ہو؟"

"ملازمت مل گئی۔ تنخواہ تو سو روپے ماہوار۔" ذہین اختر نے حقارت سے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ میری تنخواہ زیادہ ہے۔ پانچ سو روپے تمہیں میں دے دیا کروں گی۔"

"اور رہائش کا کیا کرو گی؟"

"عارضی بندوبست تو کرلیا ہے۔ وائی ڈبلیو سی اے میں۔" عاقلہ نے بتایا "تھوڑے ہی دن میں کوئی اپنا ٹھکانا بھی ہو جائے گا۔ تمہارا کوئی مسئلہ نہیں۔ تم تو ابھی اپنے گھر میں بھی رہ سکتے ہو۔ حالات بہتر ہو جائیں تو کچھ اور سوچنا۔"

"سچ پوچھو تو میں اب ایک منٹ بھی اپنے گھر میں نہیں رہنا چاہتا۔"

"لیکن فی الوقت یہ ضروری ہے۔ ہم دونوں کو ایک ساتھ گھر نہیں چھوڑنا ہے۔"

یوں زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ وہ دونوں ہی اسم بامسمّٰی ثابت ہوئے۔ عاقلہ گردو پیش کے بھیڑیا نما انسانوں سے خود کو بچا کر اپنی عقل مندی کا ثبوت دیتی رہی اور ذہین اختر کی خوبی یہ تھی کہ وہ کسی کام سے انکار نہیں کرتا تھا۔ یہ بات نہیں کہ وہ محنتی تھا بس وہ ہر کام سیکھ لینا چاہتا تھا۔ وہ جہاں کام کرتا تھا دفتر کے ہر کام پر دسترس حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ یوں وہ ہر فن مولا بنتا گیا لیکن دشواری یہ تھی کہ وہ اپنی ذہانت اور تیزی و طراری کو چھپا کر رکھنے کی کوشش نہیں کرتا تھا بلکہ اس کا بھرپور اظہار کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کسی دفتر میں زیادہ دیر نہیں ٹک پاتا تھا پھر بھی اسے یقین تھا کہ جلد ہی اسے کوئی لمبا ہاتھ مارنے کا موقع ملے گا۔

ایک سال گزر گیا' اس دوران عاقلہ نے اپنے لئے چھوٹے سے ایک فلیٹ کا بندوبست کرلیا تھا۔ اسی کی کوششوں کے نتیجے میں ذہین اختر کو بھی چوتھی منزل پر وہ کمرا مل گیا تھا۔ اس عرصے میں وہ دونوں باقاعدگی سے ملتے رہے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ وہ لنچ ساتھ ہی کرتے تھے۔ اس کے علاوہ شام کو بھی کبھار وہ فلم دیکھنے چلے جاتے تھے یا کسی تفریحی مقام کا رخ کرتے تھے۔ چھٹی کا دن عام طور پر وہ ساتھ ہی گزارتے تھے لیکن عاقلہ نے یہ اصول بنایا تھا کہ وہ دونوں کبھی گھر پر نہیں ملیں گے۔ نہ اس کے فلیٹ پر' نہ ذہین اختر کے کمرے میں "ہمیں عزت سے رہنا چاہئے۔" وہ ہمیشہ کہتی تھی "لوگوں پر اچھے کردار کا تاثر چھوڑنا چاہئے۔ تبھی تحفظ مل سکتا ہے' ویسے بھی عزت مجھے بہت پیاری ہے۔"

ایک دن وہ لنچ پر ملے' تو عاقلہ نے دھماکا کر دیا "میں نے ملازمت چھوڑ دی ہے۔"

ذہین اختر کے تو ہوش اڑ گئے۔ اس کی اپنی چوتھی ملازمت چل رہی تھی اور وہ جانتا تھا کہ عاقلہ کی مالی مدد کے بغیر اس کا گزارا نہیں ہو سکتا۔ ویسے نوکری کے معاملے میں وہ تھا بہت خوش قسمت۔ ایک ملازمت ختم ہوتی تو فوراً ہی دوسری مل جاتی۔ اب اسے آثار نظر آ رہے تھے کہ چوتھی ملازمت سے بھی چھٹی ہونے والی ہے۔

"کیوں......... تمہارے باس نے دست درازی کی تمہارے ساتھ؟" اس نے تشویش سے پوچھا۔

"ایسی کوششیں تو وہ بہت کر چکا ہے مگر میں ناکام بنا دیتی ہوں۔" عاقلہ نے کہا "ملازمت میں نے خود چھوڑی ہے۔"

"لیکن کیوں؟"

"میں نے تھوڑے ہی دنوں میں سمجھ لیا تھا کہ بڈھے باس بہت اچھے ہوتے ہیں جوان یا ادھیڑ عمر باس صرف وقت گزاری چاہتے ہیں۔ جبکہ بڈھا باس فوراً ہی مستقل وابستگی کے چکر میں پڑ جاتا ہے۔ وہ دست درازی نہیں کرتا' پرپوز کرتا ہے۔"

"لیکن تم نے ملازمت چھوڑنے میں اتنی جلدی کیوں کی؟"

"جلدی کیسی؟ مجھے دوسری ملازمت بھی مل گئی ہے۔ تنخواہ میں ہزار روپے کا اضافہ اور روشن مستقبل یعنی بڈھا باس۔ سمجھے کچھ۔" عاقلہ کے لہجے میں چہکار تھی۔

"لیکن تم نے عہد کر رکھا ہے کہ شادی مجھ دھوبی زادے ہی سے کرو گی۔"

"یہ تو ہے لیکن اس صورت میں' جب ہم دونوں معاشرے میں کوئی مقام بنا لیں۔" عاقلہ نے کہا پھر وہ مسکرائی "تمہیں یاد نہیں میں نے کہا تھا' پہلی نہیں تو دوسری شادی تم سے ہی کروں گی۔ پہلی شادی کے لئے تو بڈھا باس ہی مناسب رہے گا تم دیکھتے رہو۔"

"کبھی کبھی مجھے تم پر حیرت ہوتی ہے۔"

"صرف یہ یاد رکھا کرو کہ محبت میں صرف تم ہی سے کرتی ہوں۔" عاقلہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

عجیب بات تھی کہ دونوں کے درمیان کبھی گھر والوں کے متعلق بات نہیں ہوتی تھی۔ ماضی کے اس باب کو جیسے انہوں نے زندگی سے نکال ہی دیا تھا۔ ذہین اختر عاقلہ کے بارے میں تو نہیں جانتا تھا لیکن خود اسے اپنے گھر کے لوگ بہت یاد آتے تھے۔ وہ سوچتا کہ کبھی اس نے بہت دولت کمائی تو وہ جا کر ان سب کو اپنے گھر لے آئے گا اور وہ پھر ساتھ ہی رہیں گے۔ ہاں اسے اس طرح گھر چھوڑ آنے پر احساس جرم کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس نے وہی کچھ کیا تھا جو اپنی زندگی اور اپنے مستقبل کے لئے بہتر محسوس ہوا تھا۔ ایک بار اس نے یہ بھی سوچا کہ اگر وہ اپنے حساب سے بڑا آدمی بن گیا اور ان لوگوں کو ساتھ لایا تو لوگ کیا کہیں گے ارے' یہ ذہین صاحب درحقیقت دھوبی کی اولاد ہیں' لیکن اس نے فوراً ہی اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ وہ یہ سب کچھ دیکھ چکا تھا۔ آدمی دولت مند ہو جائے تو اس کا حسب نسب کوئی نہیں دیکھتا۔ خاندانی لوگ بھی دھوبیوں' قسائیوں سے ناتا جوڑنے کے چکر میں لگ جاتے ہیں۔ اسی لئے وہ گھر چھوڑ کر بھاگا تھا۔ غربت میں تو خاندانی آدمی کو بھی دھوبی سے بدتر ہی سمجھا جاتا ہے۔

دروازے پر ہونے والی دستک نے اسے چونکا دیا۔ یہ احساس اسے بعد میں ہوا کہ

دستک برابر والے دروازے پر ہو رہی ہے۔ کچھ بھی ہو' اسے اس دستک سے بہت بڑا نقصان پہنچا گویا بلاؤں کا صندوق کھل گیا۔ اس کے ذہن پر احساس و ادراک کے دروازے کھل گئے۔ یادوں کا تسلسل ٹوٹنا غضب ہوگیا تھا۔

پہلا احساس تو بھوک کا ہوا۔ وہ کوئی بلا تھی جو اپنے نکیلے پنجوں سے اس کا کلیجا کھرچ رہی تھی پھر اسے گرمی کا احساس ہوا۔ اس کا پورا جسم پسینے میں بھیگ گیا تھا۔ واپس آنے کے بعد اس نے کھڑکیاں نہیں کھولی تھیں۔ وہ کھڑکی کھولنے کے لئے اٹھا تو چکر آگئے۔ بہت شدید نقاہت تھی۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے کھڑکی کی طرف بڑھا اور کھڑکی کھول دی۔ کھڑکی کھولتے ہی تازہ ہوا کے جھونکے آئے اور چکروں کا احساس اور بڑھ گیا پھر اسے احساس ہوا کہ شام ہوگئی ہے' وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا تھا۔

وہ پھر پلنگ پر آبیٹھا۔ اس نے یادوں کا سلسلہ جوڑنے کی کوشش کی لیکن بھوک ایسے کہاں بخشتی ہے پھر بھوک بھی ایسی شدید کہ پیٹ میں اینٹھن ہو رہی تھی۔ ایسے میں آدمی کھانے کے سوا کچھ نہیں سوچتا۔ کھانے کے بارے میں اس نے سوچنا شروع کیا تو مایوسی نے دماغ شل کر دیا۔ کھانا ملنے کا کوئی امکان ہی نہیں تھا۔ تو کیا وہ بھوک سے مر جائے گا؟ یہ سوال بے حد خوف ناک تھا۔ وہ شل دماغ لئے بیٹھا سوچتا رہا۔

کمرے میں اندھیرا ہوگیا۔ اس نے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ باہر برقی روشنی کی جگمگاہٹ تھی۔ اس کے پیٹ کی اینٹھن اب اذیت ناک ہوگئی تھی۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ سات بجنے والے تھے۔ گویا اسے کھانا کھائے تیس گھنٹے ہو چکے تھے۔ بلکہ ان تیس گھنٹوں میں اسے چائے کی ایک پیالی کے سوا کچھ نہیں ملا تھا۔

بھوک......... ایسی بھوک......... اور پھر اندھیرا۔ اس کا دل گھبرانے لگا۔ وہ اٹھ کر کمرے میں روشنی کر سکتا تھا لیکن ایک تو نقاہت ایسی تھی کہ اس میں اٹھنے کی ہمت ہی نہیں تھی' دوسرے روشنی کی اتنی اہمیت بھی نہیں تھی۔ روشنی سے آدمی کا پیٹ تو نہیں بھر سکتا۔

وہ اندھیرے میں بیٹھا پیٹ کی بڑھتی ہوئی اینٹھن کو محسوس کرتا رہا۔ ہر لمحے اسے

محسوس ہو رہا تھا کہ اب کچھ کھانے کو نہیں ملا تو اس کا دم نکل جائے گا۔ اب تو اس کا جی چاہ رہا تھا کہ نیچے جاکر کسی کو گھڑی بیچ دے۔ بھوک نے اسے نفع نقصان کے احساس سے بھی بے نیاز کر دیا تھا۔ گھڑی کے بدلے پیٹ بھر کر کھانا بھی مل جائے تو سودا برا نہیں۔ مشکل یہ تھی کہ ایک سو چار سیڑھیاں اتر کر ہوٹل تک جانے کی اس میں طاقت نہیں تھی۔ اس کے لئے تو پلنگ سے اٹھنا بھی آسان نہیں تھا۔

تو اب ہوگا کیا؟ میں یونہی مر جاؤں گا؟ اس نے مایوسی سے سوچا۔ کاش کوئی ایسا جادو ہوتا کہ اسے یہیں بیٹھے بیٹھے کھانا مل جاتا۔

لفظ جادو پر اسے کچھ یاد آیا اور وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ گزشتہ روز تقریباً یہی وقت تھا اور لائٹ گئی ہوئی تھی۔ وہ اندھیرے میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ ایک دیوی نے اسے پکارا تھا۔ دیوی......... دیوی! دیویاں تو صرف کہانی میں ہوتی ہیں لیکن اس نے دیوی کے بازو میں چٹکی لی تھی۔ وہ خواب نہیں تھا۔ پھر اس نے دیوی کے بال کھینچ کر دیکھے تھے۔ وہ وہم نہیں تھا اور دیوی نے اسے سالگرہ کی مبارکباد اور تحفہ دیا تھا۔ تحفہ......... تین خواہشوں کا تحفہ! اس نے ایک خواہش کی تھی جو پوری ہوگئی تھی یعنی دیوی دفع ہوگئی تھی لیکن دفع ہونے سے پہلے اس نے کچھ کہا تھا جو کہا تھا وہ اسے اب بھی یاد تھا۔

وہ یہ فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ وہ کیا تھا۔ خواب' وہم یا فراڈ؟ اسے سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ ایسے حالات میں کوئی دیویوں کے بارے میں سوچ سکتا ہے بھلا۔ اب اسے وہ وہم لگ رہا تھا......... خرافات! لیکن صورت حال ایسی تھی کہ کوئی جادو ہی اسے بچا سکتا تھا۔ ورنہ وہ بے یارومددگار اس کمرے میں بھوک سے مر جاتا۔ اس کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا' کوئی راستہ نہیں تھا' بچت کی کوئی صورت نہیں تھی جب حقائق ایسے مایوس کن ہوں تو آدمی خرافات ہی کا سہارا لیتا ہے......... جادو!

اسے محسوس ہوا کہ اگر اس نے مزید کچھ وقت ضائع کر دیا تو اس میں تالی بجانے کی طاقت بھی نہیں رہے گی۔ وہ اپنے مزاج' اپنے یقین کے خلاف کام کر رہا تھا۔ اس نے تین بار زور سے تالیاں بجائیں اور ادھر ادھر دیکھا۔

کچھ بھی نہیں ہوا۔ وہم تو وہم ہی ہوتا ہے۔ اس نے تلخی سے سوچا اور مایوسی آدمی کو کتنا ذلیل کراتی ہے۔ تالیاں بجائے بمشکل تین سیکنڈ ہوئے ہوں گے اور اس کی مایوسی اور گہری ہو گئی تھی گویا اسے یقین تھا کہ تالیاں بجاتے ہی دیوی آجائے گی اور اس سے اس کی دو خواہشیں پوچھے گی۔ یہ کہاں پہنچا دیا مجھے میری مایوسی نے۔

دروازے پر ہونے والی دستک نے اسے چونکا دیا۔ یہ کیا۔ اس نے سوچا۔ کیا آج دیوی دروازے کے راستے آئے گی؟ کل تو یونہی نمودار ہو گئی تھی۔

وہ اٹھا اور لڑکھڑاتے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھا۔ ایک قدم اٹھانا بھی دوبھر ہو رہا تھا۔ جیسے تیسے اس نے دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کھلتے ہی اسے منے چریے کی صورت نظر آئی اور اس کے دیوتا کوچ کر گئے "یہ کیا؟ آج مردانہ بھیس میں آئی ہو۔" وہ بڑبڑایا "میری خواہش پوری کرو گی نا؟"

"کیسی باتیں کر رہے ہو استاد؟ کیا ترنگ میں ہو؟ یہ میں ہوں منا چریا.......... منا چریا۔" منے چریے نے بن مانس کی طرح اپنا سینا کوٹتے ہوئے کہا "میں عورت تو نہیں ہوں لیکن تمہارے خواہشیں پوری کر سکتا ہوں' استاد کہہ کر دیکھو۔"

ذہین اختر کو چکر آرہے تھے۔ ذہن اس کا ساتھ چھوڑ رہا تھا "تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتیں۔" اس نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس کی طاقت جواب دے گئی۔ وہ گرنے لگا۔ اسے احساس ہوا کہ منے چریے نے اسے سنبھال لیا ہے پھر منے چریے نے کسی کھلونے کی طرح اسے گود میں اٹھایا اور پلنگ کی طرف لے آیا۔ اسے پلنگ پر لٹانے کے بعد منا چریا اس پر جھک گیا۔ اس کا چہرہ اتنا قریب آیا کہ اس کی گرم سانسیں اس کے چہرے کو چھونے لگیں۔ اچانک اس کی ناک میں سرسراہٹ سی ہوئی اور پھر چھینک آ گئی۔

اس چھینک نے ذہین اختر کے وجود کو ہلا کر رکھ دیا۔ اسے اندازہ ہوا کہ کمزوری میں چھینک کتنی مخدوش ہوتی ہے۔ اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ منا چریا بدستور اس پر جھکا ہوا تھا۔

"اے.......... یہ کیا کر رہے ہو میرے ساتھ۔" اس نے کمزور آواز میں کہا۔

"اپنی مونچھ کا بال تمہاری ناک میں ڈال کر ہلاتا ہے۔" منا چریا بولا۔

"لیکن کیوں؟ یہ کیا بدتمیزی ہے؟"

"یہ ضروری ہے استاد ایسا ہو گا تو تمہیں ہوش بھی آئے گا اور میری مونچھوں پر یقین بھی۔"

"میں ہوش میں بھی ہوں اور مجھے تمہاری مونچھوں پر یقین بھی ہے۔" ذہین اختر نے کراہتے ہوئے کہا۔

"تو پھر تم مجھے عورت کی طرح کیوں مخاطب کر رہے تھے۔"

"میں تمہیں دیوی سمجھا تھا۔"

"دیوی.......... اور مجھے؟ منے چریے کو؟ واہ استاد۔" منا چریا پھر سینہ کوٹ کر ہنسنے لگا۔

"چھوڑو ان باتوں کو۔ یہ بتاؤ تم آئے کیسے؟"

"سیڑھیاں چڑھ کر استاد۔" منے چریے نے سادگی سے کہا۔

ذہین اختر بھنا گیا "میرا مطلب ہے کس لئے آئے ہو؟"

"اپنی تو وہی ایک بات ہے استاد۔ تمہیں استاد معظم بنانا چاہتا ہوں بس مجھے انگریزی پڑھا دو۔ یہی ایک کمی ہے میرے اندر۔ ماں قسم' انگریزی آجائے تو یہ پوری دنیا فتح کر لے گا منا چریا۔" وہ پھر سینہ کوٹنے لگا "بس تم ایک بار مجھے اپنی شاگردی میں قبول کر لو۔"

ذہین اختر پر غشی طاری ہونے لگی۔ منا چریا وہاں کا زبردست کیریکٹر تھا۔ کئی سال سعودی عرب میں گزار کر آیا تھا۔ وہاں سے پاکستان واپس بھیجا جانے لگا تو سعودیوں کے گلے پڑ گیا۔ سچ مچ کا چریا جو ٹھہرا۔ ان لوگوں نے جواز پیش کیا کہ انگلش نہ آنے کی وجہ سے پاکستان بھیجا جا رہا ہے۔ انگلش سیکھ لے گا تو پھر سعودی عرب میں موقع دیا جائے گا۔ یوں منا چریا پاکستان آ گیا۔ طاقت ور آدمی تھی۔ یہاں آ کر بدمعاشی شروع کر دی۔ چریا وہ پہلے ہی سے تھا۔ چریوں کی بدمعاشی کی دکان خوب چمکتی ہے۔ انگریزی سیکھنے کا خیال اس کے

دل سے نہیں نکلا تھا۔ بلڈنگ کے کسی آدمی نے اسے ذہین اختر کے پیچھے لگا دیا۔ یہ ذہین بابو تو انگریزی کے ماسٹر ہیں ماسٹر' بس وہ ذہین اختر کے پیچھے پڑ گیا۔ اس سے بے حد احترام سے بات کرتا تھا۔ ذہین اختر جیسے تیسے اسے ٹال دیتا تھا نہ اس کے پاس اتنا وقت تھا نہ اتنا دماغ کہ کسی چریے کو پڑھا سکتا۔

اور اب یہ مصیبت بے وقت گلے پڑی تھی۔ ذہین اختر کا جی چاہا کہ منے چریے سے کھانے کی فرمائش کر دے۔ وہ جانتا تھا کہ ایک لفظ منہ سے نکلتے ہی منا چریا اس کے سامنے نوع نوع کے کھانوں کے ڈھیر لگا دے گا۔ اچھا خاصا جن تھا وہ لیکن ذہین اختر یہ طوق گلے میں ڈالنے کو تیار نہ تھا۔ ہاں یہ اس نے سوچ لیا تھا کہ دیوی سے بات نہیں بنی تو اس جن سے سودا کرلے گا۔ اسے انگریزی پڑھانے کے عوض کھانے پینے' چائے سگریٹ پان سے بے نیازی ہو جائے تو کیا برائی ہے' بوقت ضرورت دس بیس روپے بھی مل سکتے ہیں۔ بے روزگاری میں یہ سہارا کم نہیں۔ لیکن پہلے اسے دیوی کے فراڈ کو آزمانا ہے۔

"سنو منے.........."

"منا نہیں استاد' منا چریا۔" منے چریے نے تصحیح کی۔

"میں تمہیں چریا کبھی نہیں کہوں گا۔ یہ میری پہلی شرط ہے۔"

"استاد معظم بن جاؤ تو تمہاری ہر شرط مجھے منظور ہے۔"

"تو منے میاں۔ یہ بات سمجھ لو کہ شاگرد کے لئے سب سے بڑی قابلیت تابع داری ہے' شاگرد کو استاد کی ہر بات ماننا ہوتی ہے۔"

"میں.........منا چریا تمہاری ہر بات مانوں گا استاد۔"

"پہلے میں آزماؤں گا پھر ہاں کروں گا۔"

"حکم کرو استاد۔ اپنا سر کاٹ کر ہاتھ پر رکھ دوں۔"

"غور سے سنو میری بات ابھی تم اپنی کوٹھری میں جا کر بیٹھو گے اور ایک گھنٹے تک باہر نہیں نکلو گے۔"

"کیوں استاد؟"

"شاگرد کے لئے یہ لفظ کیوں تابع داری کے خلاف ہے۔ شاگرد کو تو صرف حکم ماننا ہوتا ہے۔"

"میں یہ لفظ واپس لیتا ہوں استاد اور حکم کرو۔"

"اور یہ کہ تم منگل کی شام کو یہاں آؤ گے میرے پاس۔ اس سے پہلے یہاں کا رخ نہیں کرو گے۔ منگل کی شام خدانخواستہ میں یہاں موجود ہوا تو تمہیں اپنا شاگرد معظم بنالوں گا۔ اب جاؤ۔"

منے چریے کے چہرے پر جو خوشی نظر آئی وہ دیدنی تھی۔ اس نے جھپٹ کر ذہین اختر کو سینے سے لگایا اور فرط محبت سے بھینچ لیا۔ بھوک سے نڈھال ذہین اختر کی سانسیں رکنے لگیں۔ وہ اسے ڈانٹنا چاہتا تھا لیکن اس کی آواز بھی نہیں نکلی۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ مزید چند لمحے منے چریے کی گرفت میں رہا تو یقیناً اس کا دم نکل جائے گا۔

خوش قسمتی سے منے چریے نے پہلے ہی اسے چھوڑ دیا۔ وہ چھپکلی کی طرح پٹ سے پلنگ پر گرا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں "بہت بہت شکریہ استاد معظم۔" اس نے منے چریے کو کہتے سنا "تمہارے ہر حکم کی تعمیل ہوگی۔ میں ایک گھنٹے تک اپنی کوٹھری میں بیٹھا رہوں گا۔"

دروازہ بند ہونے کی آواز سے اندازہ ہوا کہ منا چریا چلا گیا ہے۔ ذہین اختر چند لمحے آنکھیں بند کئے پڑا رہا پھر اس نے آنکھیں کھولیں تو حیران رہ گیا۔ وہی دیوی اس کی نگاہوں کے سامنے تھی "تم نے اتنی دیر کیوں لگائی آنے میں۔" وہ دیوی پر برس پڑا۔

"کچھ دیر تو لگتی ہے پھر آپ کے پاس کوئی موجود تھا۔ ایسے میں' میں آپ کے سامنے ظاہر نہیں ہو سکتی تھی۔"

"کیوں نہیں ہو سکتی تھیں؟" ذہین اختر نے چڑچڑے پن سے کہا۔

"حکم نہیں ہے اس کا۔ میں قدرت کا راز ہوں۔ خیر آپ اپنی خواہشات بتایئے۔"

"میری دوسری خواہش یہ ہے کہ مجھے ابھی اور اسی وقت بہت اچھا کھانا لا کر دو۔

کتنی دیر لگے گی اس میں؟"

"ایک سیکنڈ بھی نہیں لگے گا۔" دیوی نے کہا اور ہاتھ آگے کی طرف پھیلا دیا۔ ہاتھ پھیلتے ہی اس کے ہاتھ پر ایک ٹرے نمودار ہوئی جس پر انواع و اقسام کے کھانے رکھے تھے۔ کمرا اشتہا انگیز خوشبوؤں سے بھر گیا۔ دیوی نے وہ ٹرے اس کے سامنے رکھ دی "یہ لیجئے۔ آپ کی دوسری خواہش پوری ہوئی۔" اس کے لہجے میں حقارت تھی۔

ذہین اختر اس وقت ہر چیز سے بے نیاز تھا۔ وہ تو بس کھانے پر پل پڑا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کھانا اس کے لئے کم پڑے گا لیکن ہوا یہ کہ وہ شکم سیر ہو گیا اور کھانا جوں کا توں رہا۔ اس نے کھانا اتنا کھایا کہ پانی پینے کی بھی گنجائش نہیں رہی' اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

اس نے نیم وا آنکھوں سے دیوی کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اپنے لئے نفرت دیکھ کر اسے افسوس ہوا۔ اس نے خواہ مخواہ دیوی کو اپنا دشمن بنالیا تھا "تم بہت اچھی ہو دیوی بیگم۔" اس نے نندا سی آواز میں کہا۔ وہ اب اپنے طور پر پچھلے سلوک کی تلافی کی کوشش کر رہا تھا۔

"بے شک میں اچھی ہوں لیکن تم بہت بُرے ہو۔" دیوی نے کہا۔

"پچھلی بار جو کچھ ہوا۔ اس میں میرا اتنا قصور نہیں۔" ذہین اختر نے نرم لہجے میں کہا "مجھے تم وہم لگی تھیں اور پھر فراڈ۔ میں روشن خیال انسان اور کیا سوچ سکتا تھا۔ ذرا انصاف سے کہو کہ میری جگہ تم ہوتیں تو شاید وہی کچھ کرتیں جو میں نے کیا تھا۔"

"ہرگز نہیں۔" دیوی نے تند لہجے میں کہا "میں کبھی کسی سے اتنا وحشیانہ سلوک نہیں کر سکتی۔ تم میرے وجود کی تصدیق مہذب طریقے سے بھی کر سکتے تھے۔ ایسے موقعوں پر آدمی کا رد عمل اس کے باطن کی عکاسی کرتا ہے۔ تم اندر سے بہت برے آدمی ہو۔"

"چلو اس بات کو چھوڑو۔ میں معافی مانگ لیتا ہوں۔" ذہین اختر نے کہا "میں تم سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔"

"خیر.......... ہمارے درمیان تعلق کی تو گنجائش ہی نہیں۔ ہوتی تب بھی میں تم سے دوستی نہ کرتی۔ اب اپنی تیسری خواہش بیان کرو اور میری جان چھوڑو میں آئندہ تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔" دیوی کے لہجے میں نفرت تھی۔

ذہین اختر نے سوچا کہ اب بات نہیں بن سکتی۔ ویسے بھی دیوی سے کیا لینا بات اپنی خواہش کی ہے۔ وہ ہر حال میں پوری ہوتی ہے دیوی کی دوستی سے اسے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے "میں کوشش کروں گا کہ تمہاری جان نہ چھوٹنے پائے۔" اس نے کہا "تمہاری مجھ سے نفرت کی یہی سزا مناسب ہو سکتی ہے کہ تمہارا میرا تعلق قائم رہے۔ تیسری خواہش میں بہت سوچ سمجھ کر کرنا چاہتا ہوں جب ضرورت ہوگی تو بلا لوں گا۔"

دیوی نے نفرت سے اسے دیکھا اور پلک جھپکتے میں غائب ہو گئی۔

ذہین اختر پلنگ پر لیٹ کر تیسری خواہش کے بارے میں سوچنے لگا لیکن ٹھیک طور پر سوچنا ناممکن تھا۔ نیند اس کے حواسوں پر چھائی ہوئی تھی۔ اسے بس اتنا احساس تھا کہ یہ تیسری خواہش اس کی زندگی سنوار سکتی ہے اور اگر اس نے اسے بھی ضائع کر دیا تو زندگی بھر خوار پھرتا رہے گا۔ اسے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا تھا اور ذہن اس وقت سوچنے کے قابل نہیں تھا۔

ایسی جلدی کیا ہے۔ اس نے خود سے کہا۔ یہ کام کل بھی کیا جا سکتا ہے۔ سوچنے کے لئے بہت وقت پڑا ہے۔ خوش قسمتی سے استفادہ کرنا بہت ضروری ہے۔ خوش قسمتی کسی بھی انسان کے دروازے پر تیسری بار کے بعد کبھی دستک نہیں دیتی۔

یہ سب سوچتے سوچتے وہ سو گیا۔

☆-------------○-------------☆

اس کی آنکھ دھوپ کی گدگدیوں سے کھلی' جو کمرے میں بھر چکی تھی۔ ورنہ وہ مزید سوتا۔ آنکھیں کھولے وہ کچھ دیر چھت کو تکتا رہا۔ رات کی بات پر اسے اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔ دیوی دو دن میں دو بار اس کے پاس آئی تھی اور اس کی دو خواہشیں پوری کی تھیں۔ چلو پہلی خواہش کو تو جانے دو لیکن دوسری خواہش کا تو ثبوت بھی موجود

تھا۔ اس وقت بھی اسے بھوک نہیں لگ رہی تھی۔ رات کھانا ہی اس نے اس طرح پیٹ بھر کر کھایا تھا۔

وہ اٹھا اور باتھ روم میں چلا گیا۔ جسم پر کسل مندی سی طاری تھی۔ نہانے کے بعد وہ تازہ دم ہوگیا۔ باہر آیا تو اسے چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی لیکن اس نے اس طلب کو نظرانداز کر دیا۔ وہ اتنی بھوک بھگت چکا تھا کہ چائے کی طلب کی کوئی اہمیت نہیں رہی تھی اور بھوک ایسی چیز تھی کہ اس کی خاطر کل اسے اپنی ایک خواہش قربان کرنی پڑی تھی۔ خواہش جو وہ کسی بڑی' بہت بڑی' بہت بہت زیادہ بڑی چیز کی بھی کر سکتا تھا۔ اسے اب احساس ہو رہا تھا کہ رات اس نے خسارے کا سودا کیا تھا۔ یہ الگ بات کہ اس وقت وہ اور کوئی خواہش کر ہی نہیں سکتا تھا اور کھانے کی خواہش کر کے اس نے اپنی زندگی بچائی تھی۔

وہ کھڑکی کے پاس کرسی رکھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے خود کو یاد دلایا کہ یہ اس کی زندگی کا اہم ترین دن ہے۔ آج اس کے پاس ایک موقع ہے جس سے صحیح طور پر استفادہ کر کے وہ ایک نئی زندگی کا آغاز کر سکتا ہے۔ اسے توجہ صرف اس بات پر مرکوز کرنی ہے' چائے جیسی چھوٹی طلب کا احساس بھی نہیں کرنا ہے۔

یہ میں ہر بات میں چائے کو کیوں گھسیٹ رہا ہوں؟ اس نے جھنجلا کر سوچا۔ اس کا تو مطلب ہے کہ چائے بہت اہم ہے۔

اس نے چائے کی پیالی کے تصور کو ذہن سے دھکیلا اور ترتیب سے سوچنے کی کوشش کی۔ اس کے پاس صرف ایک خواہش تھی۔ یہ طے تھا کہ وہ خواہش ضرور پوری ہوگی۔ رات اس نے کھانے کی خواہش کی اور وہ پلک جھپکتے میں حاضر ہوگیا۔ یعنی وہ دیوی اس معاملے میں بااختیار ہے۔

اسے پھر افسوس ہونے لگا کہ اس نے دو خواہشیں کیسے ضائع کر دیں۔ مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ تیسری خواہش کے ذریعے وہ اس حماقت کا ازالہ کر سکتا تھا۔ یعنی تیسری خواہش اسے بے حد جامع کرنی تھی۔ تیسری خواہش!

اسے یہ بھی ذہن میں رکھنا تھا کہ دیوی اس سے نفرت کرتی ہے وہ اسے نقصان پہنچانے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دے گی۔ سوال یہ تھا کہ وہ اسے کیا نقصان پہنچا سکتی ہے۔ اسے احساس ہوا کہ اسے لفظوں کے معاملے میں بہت محتاط رہنا ہوگا۔ جامع خواہش کے چکر میں اس کا کباڑا ہو سکتا ہے۔ خواہش بے حد سادہ ہونی چاہئے۔

اب اسے اپنی ترجیحات کا تعین کرنا تھا۔ اسے اسٹینس کی خواہش تھی یعنی پُرآسائش بنگلا' کاروبار' بینک بیلنس اور پیسہ۔ ان تمام چیزوں کے لئے ایک ہی لفظ کافی تھا دولت ہاں وہ دولت طلب کر سکتا تھا۔ کتنی دولت؟ کروڑ......... ارب......... کھرب روپے یہ تو بہت آسان بات ہے۔

دیوی اس میں کیا گڑبڑ کر سکتی ہے؟ وہ اسے جعلی نوٹ فراہم کر سکتی ہے۔

اس کا تدارک ممکن ہے۔ وہ خواہش کے لفظوں میں اصلی نوٹ کے لفظ شامل کر سکتا ہے۔

دیوی اور بھی کوئی گڑبڑ کر سکتی ہے؟

اس پر ذہین اختر کو ابن صفی کی ایک پیروڈی یاد آگئی۔ چراغ الہ دین ڈائجسٹ۔ اس میں الہ دین کے استفسار پر چراغ کے جن نے جھنجلا کر بتایا تھا کہ وہ الہ دین کی خواہشیں پوری کرنے کی خاطر بینک میں ڈاکے ڈالتا رہا ہے اور دولت کہاں سے لا سکتا تھا۔

دیوی بھی یہی کر سکتی تھی اور ڈکیتی کے الزام میں پکڑا وہ جاتا۔

تو پھر کیا خواہش کی جائے؟ دنیا کی سب سے قیمتی خواہش کیا ہو سکتی ہے؟ ایسی خواہش جس میں دیوی کوئی گڑبڑ نہ کر سکے۔ وہ بہت بڑی مالیت کے ہیرے جواہرات طلب کر سکتا ہے۔ اس میں بھی ایک ڈر ہے کہ وہ چوری کے بھی ہو سکتے ہیں اور یہ نہ ہو تب بھی حکومت دفینہ قرار دے کر ان پر قابض ہو سکتی ہے' چور ڈاکو پیچھے پڑ سکتے ہیں یعنی کرنسی نوٹ' ہیرے جواہرات سب آنی جانی شے ہیں۔ موجود ہیں تو کروڑ پتی سیٹھ' لٹ گئے تو سڑک چھاپ۔ خواہش کسی ایسی دولت کی ہونی چاہئے جسے کوئی لوٹ نہ سکے۔

ان خطوط پر سوچتے سوچتے اسے ایک اچھوتا آئیڈیا سوجھ گیا۔ واہ......... اتنے

مشکل مسئلے کا اتنا آسان حل۔ وہ اس کی جزئیات پر سوچنے لگا پھر اسے خیال آیا کہ اس پر وقت ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے پہلے اصل کام کرلیا جائے پھر فرصت سے سوچیں گے اور تفصیلات طے کریں گے۔

اس نے تین بار تالی بجا دی۔



دیوی وہیں موجود تھی!

وہ گزشتہ رات اس کمرے سے گئی ہی نہیں تھی۔ اسے یہ شخص ذہین اختر بے حد خطرناک لگا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اسے اس طرح کھل کر نفرت کا اظہار نہیں کرنا چاہئے تھا لیکن اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ منہ سے نکلے ہوئے پرائے لفظ۔

رات کو تو ذہین اختر بے سدھ ہو کر سو گیا تھا۔ صبح وہ خاصی دیر سے جاگا تھا۔ باتھ روم سے آنے کے بعد سے وہ بیٹھا سوچ جارہا تھا۔ دیوی ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہی تھی۔ ذہین اختر اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ دیوی کے سر پر جو اسکارف بندھا تھا وہ اسے کھول دیتی تو ذہین اختر کے سامنے نمودار ہو جاتی۔

ذہین اختر سوچتا رہا اور دیوی اسے دیکھتی رہی۔ اس وقت ذہین اختر دیوی کی آنکھوں میں جھانک سکتا ہوتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ دیوی اس سے کس قدر خوف زدہ ہے۔ وجہ بے حد سادہ تھی۔ دیوی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

دیوی کو ذہین اختر کی پل پل رنگ بدلتی آنکھیں بے حد خوف ناک لگیں۔ آنکھیں آدمی کے باطن کی، اس کی سوچوں کی غمازی کرتی ہیں۔ دیوی اس کی سوچوں کو پڑھنے کی، اس کے باطن میں جھانکنے کی قدرت تو نہیں رکھتی تھی لیکن آنکھوں سے سمجھ گئی تھی کہ اس شخص کا ذہن شیطانی انداز میں سوچ رہا ہے، کوئی شیطانی سکیم بنا رہا ہے اور یہ بھی طے تھا کہ وہ اس وقت اپنی تیسری اور آخری خواہش کے بارے میں سوچ رہا ہے۔

اچانک ذہین اختر کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ جیسے وہ کسی نتیجے پر پہنچ گیا ہو دیوی کو اپنا

دل ڈوبتا محسوس ہوا۔ یہ شخص کوئی بے حد خطرناک تیسری خواہش کرے گا۔

ذہین اختر نے تین بار تالی بجائی۔ دیوی کا ہاتھ اسکارف کی طرف بڑھا لیکن اس نے اسے واپس کھینچ لیا۔ اب دشمنی ہے تو دشمنی ہی سہی۔ اس نے سوچا۔ میں اسے انتظار کراؤں گی تاکہ اسے غصہ آئے اور غصہ آئے گا تو یہ گھٹیا پن بھی کرے گا اور گھٹیا پن میں آدمی غلطی بڑی آسانی سے کرتا ہے۔ ممکن ہے غصے میں یہ وہ شیطانی سکیم بھی بھول جائے جو اس نے ابھی بنائی ہے۔

☆------------O------------☆

ذہین اختر نے تالیاں بجانے کے بعد ادھر ادھر دیکھا لیکن دیوی اسے کہیں نظر نہیں آئی۔ اسے یہ معلوم بھی نہیں تھا کہ دیوی کہاں نمودار ہوگی۔ اس نے غیرارادی طور پر گھڑی میں وقت دیکھا اور پھر متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

ایک منٹ ہوگیا تو اس کا دل ڈوبنے لگا۔ بے یقینی کے ایک جھونکے نے امید کے سارے چراغ بجھا دیے۔ کیا وہ سب وہم تھا؟ وہ لذیذ اور خوش ذائقہ کھانا فریب تھا؟ وہ دیوی فریب نظر تھی؟ اگر ایسا تھا تو اب کیا ہوگا؟ اس کی سکیم کا کیا بنے گا؟

مزید وقت گزرا تو اس پر غصہ اور جھنجلاہٹ طاری ہوگئی۔ وہ بے تابی سے ادھر ادھر ٹہلنے لگا پھر وہ ہر کونے میں جھانکتا پھرا۔ کچھ خیال آیا تو اس نے پھر تین بار تالی بجائی۔ اس بار بھی کچھ نہیں ہوا تو وہ مسلسل تالیاں بجانے لگا۔ وہ نیم پاگل ہو رہا تھا "اے منحوس دیوی، اتنی دیر کیوں لگا رہی ہو۔ تم آتی کیوں نہیں؟" اس نے ہاتھ روکے بغیر چلا کر کہا "ارے تم کہیں جھوٹ موٹ کی تو نہیں تھیں......... دھوکے باز۔"

مسلسل تالیاں بجتی رہیں پھر دروازے پر دستک ہوئی تو ذہین اختر کے ہاتھ رکے "یہ کون نازل ہوگیا اس وقت؟" وہ بڑبڑایا لیکن دروازہ کھولنے کو نہیں بڑھا۔ ذرا سے توقف کے بعد اس نے پھر تالیاں بجانا شروع کر دیں۔

دستک بھی چند لمحوں کے لئے رکی اور پھر تیز ہوگئی......... تیز اور مسلسل!

ذہین اختر نے تالیاں موقوف کیں اور دونوں ہاتھ اپنے کانوں پر رکھ کر دانت پیسنے

لگا۔ دستک دینے والے نے بھی تہیہ کر لیا تھا کہ دروازہ کھلوائے بغیر واپس نہیں جائے گا۔

آخر کار ذہین اختر ہی کو ہار ماننا پڑی۔ وہ دانت پیستا ہوا دروازے کی طرف بڑھا اور دروازہ کھول دیا۔ سامنے اس کی بڈھی پڑوسن کھڑی تھی۔

"جی فرمایئے؟" ذہین اختر نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

"خیریت تو ہے بیٹا؟" بڑی بی نے پوچھا۔

ذہین اختر نے حیرت سے ادھر ادھر دیکھنے کی اداکاری کی "جی ہاں میرا خیال ہے خیریت ہے لیکن آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"یہ تالیوں کی آواز کیسی تھی؟"

"آپ کا کیا خیال ہے؟" ذہین اختر نے الٹا بڑی بی سے سوال کر ڈالا۔

"پہلے تو میں سمجھی کہ ہیجڑے آئے ہوئے ہیں۔" بڑی بی نے بے حد سادگی سے کہا "پھر مجھے خیال آیا کہ تمہارے ہاں تو بیٹا پیدا ہونے سے رہا۔ شادی کی ہوتی تو ہمیں معلوم ہوتا، ہم تمہارے پڑوسی ہیں آخر۔ لہٰذا خسرے تو تمہارے ہاں آ نہیں سکتے۔ ہاں قوال ہوسکتے ہیں لیکن اس وقت صبح کو یہ قوالیوں کا وقت نہیں۔ بیٹی نے کہا' اماں جاکر پوچھ لو۔ کیا پتا کوئی چکر ہو۔ پڑوسیوں کا خیال رکھنا چاہئے سو میں چلی آئی۔"

"آپ کی بیٹی وہی خاتون ہیں نا جو بھینگی ہیں؟" ذہین اختر نے کاٹ دار لہجے میں پوچھا۔ اسے امید تھی کہ بڑی بی ناراض ہو کر اس کی جان چھوڑ دیں گی۔

لیکن بڑی بی نے بے حد محبت سے کہا "اے بیٹا' خاتون کیسی۔ وہ تو لڑکی ہے لڑکی اور وہ بھینگی بھی نہیں۔ پیدائشی شرارتی ہے۔ لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے آنکھیں گھما لیتی ہے یونہی۔ بہت پریکٹس کی ہے اس کی۔"

"تب تو کسی دن بڑا فساد......... خون خرابہ کرائے گی۔"

بڑی بی نے اس جملے کو جیسے سنا ہی نہیں "تم نے بتایا نہیں بیٹے کہ کیا ہوا تھا۔ یہ تالیاں کیوں بج رہی تھیں؟"

"میرے گھر کچھ مچھر آئے ہوئے تھے انہیں مارنے کی کوشش کر رہا تھا میں۔"

ذہین اختر نے بھنا کر کہا۔

"مچھر......... اور اتنی بلندی پر؟" حیرت سے بڑی بی کا منہ کھل گیا "ہمارے ہاں تو نہیں ہیں۔"

"میرے ہاں ہیں۔ سلاما۔ لیکم۔" ذہین اختر نے کہا اور دروازہ بند کر دیا۔

☆-----------○-----------☆

دیوی اپنا پیٹ تھامے ہنسے جا رہی تھی۔ وہ بہت خوش تھی جو کچھ ذہین اختر کے ساتھ ہو رہا تھا اس کے بعد وہ اپنی چالاکی کو استعمال کرنے کے قابل تو نہیں رہتا۔ وہ بے حد اعصاب شکن وقت گزار رہا تھا۔ اس کے بعد بھی آدمی کے اوسان ٹھکانے پر رہیں تو وہ واقعی انعام کا مستحق ہوتا ہے۔

ذہین اختر بڑی بی سے باتیں کر رہا تھا اور دیوی اس کے عین پیچھے کھڑی تھی۔ ذہین اختر دروازہ بند کر کے پلٹا تو دیوی نے اپنے سر کا اسکارف کھول لیا۔

ذہین اختر پلٹا تو دیوی اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے ہونٹ یوں تھرک رہے تھے جیسے وہ ہنسی روکنے کی کوشش کر رہی ہو "آگئیں تم؟" ذہین اختر نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"تمہارے سامنے کھڑی ہوں۔"

"اتنی دیر کیوں لگائی تم نے؟" ذہین اختر نے چڑچڑے پن سے پوچھا۔

"آپ مجھے صرف تخلیئے میں بلایا کریں۔ بڑی بی کے سامنے تو میں نہیں آسکتی تھی۔"

"جھوٹ مت بولو۔ یہ بڑی بی تو ابھی آئی تھیں۔ اس سے پہلے مجھے تالیاں بجائے چھ منٹ ہو چکے تھے۔"

"اوہ......... وہ......... تمہارے ہاں سڑکیں بہت پتلی ہیں اور ٹریفک بہت زیادہ ہے۔ ٹریفک زیادہ تر جام ہی رہتا ہے۔"

"تمہارا سڑک کے ٹریفک سے کیا واسطہ۔" ذہین اختر نے بھنا کر کہا "تم تو بس

ائر ٹریفک کی بات کر سکتی ہو۔"

"میں یہاں اڑتی نہیں ہوں۔" دیوی نے معصومیت سے کہا۔

"تو کیا گاڑی سے آتی ہو؟ مرسڈیز ہوگی تمہارے پاس۔" ذہین اختر کا لہجہ زہریلا ہو گیا۔

"نہیں غریب دیوی ہوں مجھے منی بس میں سفر کرنا پڑتا ہے۔"

"تم بہت جھوٹی ہو۔ میں سمجھتا تھا کہ دیویاں جھوٹ نہیں بولتیں۔" ذہین اختر کہتے کہتے رک گیا۔ اسے اچانک احساس ہوا کہ وہ پھر بد تمیزی سے بات کر رہا ہے۔ جبکہ اس نے عہد کیا تھا کہ آئندہ ایسا نہیں کرے گا اور دیوی مسکراتی ہوئی آئی تھی یعنی اچھے موڈ میں تھی تو پھر بات کیوں خراب کی جائے۔ اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ دیوی اب بھی مسکرا رہی تھی۔ ذہین اختر نے اپنے لہجے میں ملائمت سموتے ہوئے پوچھا "آج بہت خوش نظر آ رہی ہو؟"

"ہاں آج میں بہت خوش ہوں۔"

"وجہ نہیں بتاؤ گی؟"

"کیوں نہیں۔ میری خوشی کی وجہ یہ ہے کہ آج تم سے میری جان چھوٹ رہی ہے۔" دیوی نے بے حد نفرت سے کہا۔

ذہین اختر کا دماغ گھوم گیا "جان تو تمہاری نہیں چھوٹ سکتی۔ لیکن میں خود تمہیں اپنے سر پر مسلط نہیں رکھنا چاہتا۔"

"میرا وقت ضائع مت کرو۔ اپنی خواہش بیان کرو اور میری جان چھوڑو۔ چائے کی ایک پیالی لا دوں تمہیں؟"

"اب میں کوئی حماقت نہیں کروں گا۔" ذہین اختر نے مسکراتے ہوئے کہا "اب میری بات غور سے سنو۔ میری تیسری خواہش یہ ہے کہ میری ایک ہزار خواہشیں پوری کی جائیں۔"

یہ سن کر دیوی سناٹے میں آ گئی۔

☆------------○------------☆

وقت جیسے اسی جگہ ٹھہر گیا تھا!

دیوی کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں لیکن صاف پتا چل رہا تھا کہ اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ ذہین اختر نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ اوپر نیچے لہرایا "کیا ہوا دیوی بیگم۔ تمہیں سکتہ کیوں ہو گیا؟ کیا اب تمہیں جوتا سنگھانا پڑے گا؟"

دیوی کی پلکیں جھپکیں لیکن چہرے کے تاثر سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کی سمجھ میں اب بھی کچھ نہیں آرہا ہے۔

"ہوش میں آجاؤ۔ تمہیں تو میں نے لمبے عرصے کے لئے بک کر لیا ہے۔" ذہین اختر نے کہا "تم پاگل ہو گئیں تو میرا کیا بنے گا۔"

اچانک دیوی کا چہرہ تمتمانے لگا "تم بہت کمینے ہو......... بہت لالچی......... بہت خراب......... بہت گھٹیا۔ تم نے بہت اوچھی حرکت کی ہے۔"

"یہ تو تمہارا خیال ہے۔ میں لالچی ہوتا تو دولت نہ مانگ لیتا۔ کمینہ ہوتا تو ہمیشہ کے لئے تمہیں نہ مانگ لیتا۔ یہ تو سوچو کہ میں نے کتنی معصوم خواہش کی ہے۔"

"تم سچ مچ بہت گھٹیا آدمی ہو۔" دیوی روہانسی ہو گئی۔

"اچھا' یہ فضول باتیں چھوڑو۔" ذہین اختر نے سخت لہجے میں کہا "تمہاری باتوں کا میں برا نہیں مانتا لیکن بہتر ہے کہ اب کام کی بات ہو جائے۔ میں نہیں چاہتا کہ جب بھی مجھے کوئی خواہش پوری کرنی ہو تو میں مسخرے بادشاہوں کی طرح تالیاں بجا کر تمہیں بلاؤں۔ اب مجھے بھی تمہاری صورت بری لگنے لگی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"میری خواہش ہے کہ خواہش پوری کرنے کا طریقہ کار بدل دیا جائے۔"

"مطلب؟"

"بس سادہ سا طریقہ ہو۔ میں خواہش کروں اور وہ پوری ہو جائے۔"

دیوی خوش نظر آنے لگی "مبارک ہو۔ تمہاری یہ خواہش پوری ہو گئی۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"ایسے موقعوں پر میرے اندر ہری بتی جل جاتی ہے۔"

"اور تم اتنی خوش کیوں نظر آرہی ہو؟"

"تمہارے لئے خوش ہوں۔ تمہیں مجھ سے نجات مل گئی نا۔"

"تم میرے لئے خوش ہونے والی تو نہیں۔" ذہین اختر نے شک آمیز لہجے میں کہا "تمہارے لئے خوشی کی بات یہ ہے کہ مجھ سے تمہاری جان چھوٹ گئی۔"

"تم ٹھیک سمجھے ہو۔" دیوی نے خشک لہجے میں کہا "میری فطرت میں منافقت نہیں۔ اس لئے میں یہ بات چھپانا نہیں چاہتی کہ میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔ میں تم سے کھلی دشمنی کا اعلان کرتی ہوں۔ تم نے میری بہت توہین کی ہے۔ میں ساری عمر موقع کا انتظار کروں گی اور بدلہ ضرور لوں گی اور میں خوش ہوں کہ تم نے اپنی قبر آپ کھودی ہے۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ اس میں گرنے میں تم کتنا عرصہ لگاتے ہو۔ یہ میں تمہیں بتادوں کہ کوئی خواہش کرنے کے بعد تم اس کی نفی نہیں کر سکو گے۔ اس کو رد کرنے کی خواہش نہیں کر سکو گے۔"

"میں تمہاری دشمنی قبول کرتا ہوں۔" ذہین اختر نے بے حد سنجیدگی سے کہا "اب ہمارے درمیان کھلی جنگ ہے۔"

"ہاں' اور میں اس جنگ میں اپنے تمام ہتھیار استعمال کروں گی۔ وہ بھی جو تمہارے علم میں نہیں ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ اپنے دفاع کے لئے مجھے ایک ہی ہتھیار کافی ہے۔ خواہشوں کا خزانہ۔"

"مجھے یقین ہے کہ تم اپنی کھودی ہوئی قبر میں نہایت طمانیت کے ساتھ گرو گے۔ تمہیں پچھتانے اور افسوس کرنے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔ اب میں چلتی ہوں۔" دیوی نے کہا اور وہیں کھڑے کھڑے غائب ہو گئی لیکن درحقیقت وہ غائب نہیں ہوئی تھی۔ وہ

وہیں موجود تھی۔ صرف ذہین اختر کی آنکھوں سے اوجھل ہوئی تھی۔ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ ہر لمحہ اس شخص پر نظر رکھے گی۔ دیکھے گی کہ وہ اپنے وسائل سے کس طرح استفادہ کرتا ہے اور اس پر وار کرنے کے لئے موقع کی تلاش میں رہے گی۔

☆--------------○--------------☆

ذہین اختر نے اطمینان کی گہری سانس لی اور خیالوں میں اپنے کندھے پر تھپکی دی۔ اس نے بڑا معرکہ سر کیا تھا۔ دنیا میں دو ایک ہی ایسے ہوں گے کہ ایک خواہش کی پیشکش کو اتنے بھرپور انداز میں استعمال کر سکیں۔ ورنہ آدمی نہ جانے کیا کیا سوچتا ہے اور بہتر سے بہتر کے چکر میں ٹھوکر کھا بیٹھتا ہے۔ اسے خود پر فخر ہونے لگا کہ اس نے کیسی ذہانت کا مظاہرہ کیا ہے۔ خواہش کو اس سے بہتر استعمال نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس کا ثبوت دیوی کی برہمی اور ناراضی تھی جو ہرگز اس کی بہی خواہ نہیں تھی۔

وہ ایک مرحلے سے کامیابی سے گزر چکا تھا۔ اس نے ایک طرح کا بینک اکاؤنٹ کھول لیا تھا اور اس بینک اکاؤنٹ میں بے حد قیمتی اور پائیدار چیز تھی۔ خواہش پوری ہونے کی گارنٹی اور اس کا بینک بیلنس ایک ہزار خواہشوں کا تھا۔ ایک ہزار خواہشیں پوری ہونے کی گارنٹی! وہ اس وقت بلاشک و شبہ دنیا کا امیر ترین آدمی تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ اپنی دولت کی سرمایہ کاری کیسے کرے کہ اس کی دولت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ممکن ہو سکے۔

اس کے ذہن میں ایک خیال پہلے سے موجود تھا۔ پہلے اسے اس کے قابل عمل ہونے پر غور کرنا تھا اور پھر جزئیات طے کرنی تھیں۔ یہ اندازہ تو اسے چند منٹ میں ہی ہو گیا کہ اس کا آئیڈیا بے حد شاندار اور منفعت بخش ہے۔ وہ تفصیلات پر غور کرتا رہا۔

اسے کچھ چیزوں کو ممنوعہ قرار دے کر ان سے پرہیز کرنا تھا۔ اپنے معاملے میں وہ ابتدا ہی میں ایسا کر چکا تھا۔ اس نے اپنے لئے دولت طلب نہیں کی تھی۔ لہٰذا یہ تو پہلا گراؤنڈ رول ٹھہرا۔ دوسرے اس نے سوچا کہ وہ کسی کے لئے موت کی خواہش نہیں کرے گا۔ اس کے علاوہ جسمانی ٹوٹ پھوٹ کے معاملے میں بھی اسے بہت محتاط رہنا تھا۔

پھر اسے حتی الامکان قدرت کے معاملات میں دخل اندازی سے بچنا تھا۔ اس لئے نہیں کہ وہ اللہ والا تھا۔ بلکہ اس لئے کہ وہ طاقت کو تسلیم کرنے اور اس کے سامنے سر جھکانے کا قائل تھا۔ اس کے نزدیک یہ عافیت کا راستہ تھا اور یہ بات عقیدے کی نہیں تھی۔ اس کا تجزیہ تھا کہ کائنات میں سب سے بڑی طاقت اللہ کی ہی ہے۔ بہتری اسی میں تھی کہ وہ مثبت خواہشات کرے۔

تو یہ طے تھا کہ وہ دنیا کا سب سے انوکھا کاروبار شروع کرنے جا رہا ہے۔ دنیا کی منفرد ترین کمپنی قائم کرنے والا ہے۔ خواہش کارپوریشن (لامحدود)۔ وہ بے حد معقول معاوضہ لے کر لوگوں کی معقول خواہشات پوری کرے گا۔ اس دنیا میں سب سے بڑی کمی یہی ہے۔ اللہ نے آدمی کو خواہشات کا غلام بنایا ہے۔ لامحدود خواہشات دی ہیں لیکن انہیں تکمیل تک پہنچانے کے لئے وسائل بے حد محدود ہیں۔ بلکہ بعض لوگوں کے پاس تو وسائل نام کی کوئی چیز سرے سے موجود ہی نہیں۔

وہ جتنا سوچتا گیا اس کا یقین پختہ ہوتا گیا۔ وہ جو چیز فروخت کر رہا تھا اس کی ڈیمانڈ ہر جگہ تھی اور بہت زیادہ تھی۔ وہ پھر خود کو شاباش دینے لگا کہ عام لوگوں کی طرح دولت کی خواہش کرنے کے بجائے اس نے دولت کمانے کا یہ طریقہ اختیار کیا۔ اس نے خود کو جینیس ثابت کر دیا۔ ایک بار دولت حاصل کرنے کے مقابلے میں مسلسل دولت حاصل کرنا زیادہ سود مند بھی تھا اور محفوظ بھی۔ اس طرح دولت جیسی آنی جانی شے بھی اس کے پاس صرف آتی رہتی جاتی کبھی نہیں۔

سوال یہ تھا کہ کارپوریشن وہ کیسے شروع کرے۔ ایک شاندار دفتر شہر کے قلب میں ہو۔ اخبارات میں کارپوریشن کے اشتہارات چھپیں۔ سنگدل سے سنگدل محبوب آپ کے قدموں میں۔ تمنا کیسی ہی ہو' پوری ہو گی۔ وہ خواہش ہی کیا جو پوری نہ ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ وہ آپ ہی آپ ہنس دیا۔ یہ تو فراڈ قسم کے نجومیوں اور جادو ٹونے کرنے والوں کے اشتہارات تھے۔ وہ اپنے دعوے میں سچا تھا لہٰذا اس کے اشتہارات بھی اور طرح کے ہوں گے۔

اسے اچانک خیال آیا کہ یہ کارپوریشن قائم کرنے کے لئے اور اشتہار بازی کے لئے دولت درکار ہوگی۔ وہ دولت کہاں سے آئے گی۔ جبکہ وہ دولت کی خواہش نہ کرنے کا عہد کرچکا ہے۔ دولت؟ وہ جھنجلا گیا۔ ہر تان دولت ہی پر آکر ٹوٹتی ہے۔ خیر اس کا بھی کوئی حل نکل آئے گا۔

وہ اس سلسلے میں سوچنے لگا لیکن ٹھیک طرح سے سوچا نہیں جارہا تھا۔ وہ اپنی توجہ مرکز نہیں کرپارہا تھا۔ وجہ اس کی سمجھ میں فوراً ہی آگئی۔ اسے چائے کی طلب ہو رہی تھی۔ شدید طلب!

چائے؟ اتنی معمولی سی خواہش! وہ خواہش کارپوریشن (لامحدود) قائم کرکے دوسروں کی خواہشیں پوری کرنے کے سفر پر نکل رہا تھا۔ خود چائے سے محروم بیٹھا تھا۔ یہ کیسا مقام عبرت ہے۔ چائے؟ اس کی جیب میں تو پیسے بھی نہیں ہیں۔ ہاں اس کے پاس ایک ہزار پوری ہونے والی خواہشوں کا اسٹاک ہے۔

تو پہلے چائے پینی چاہئے۔ اس نے فیصلہ کیا۔ یعنی چائے کی ایک پیالی پر ایک قیمتی خواہش ضائع کی جائے؟ کیوں نہیں۔ وہ بڑبڑایا۔ ایک خواہش کم ہونے سے مجھے کیا فرق پڑے گا۔ جب چاہوں گا میں خواہشات کے بینک بیلنس میں اضافہ کرلوں گا لیکن چائے کی صرف ایک پیالی کیوں طلب کی جائے۔

وہ پلنگ پر پھیل کر بیٹھ گیا۔ مجھے چائے کی پوری ایک کیتلی چاہئے۔ اس نے اعلان کیا۔

ایک ثانئے میں چینی کی ایک چائے دانی نمودار ہوئی اور فضا میں تیرتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔ چائے دانی قریب پہنچی تو اس نے اسے تھام لیا اور پلنگ پر رکھ لیا۔ اس نے ڈھکنا اٹھایا تو نہال ہوگیا۔ چائے کی مہک ایسی ہی دل خوش کن تھی۔ چائے دانی لبالب بھری ہوئی تھی۔

اسے خیال آیا کہ چائے کی پیالی تو اس نے لاکر نہیں رکھی۔ یہ سوچ کر وہ پیالی لانے کے لئے اٹھا تو چائے دانی لڑھک گئی۔ اس کے سنبھالتے سنبھالتے چائے دانی خالی ہو

چکی تھی۔ پلنگ کے بانوں سے چائے اب بھی ٹپک رہی تھی۔ نیچے فرش پر چائے کا اچھا خاصا تالاب بن گیا تھا۔

اس کا بس چلتا وہ نیچے گری ہوئی چائے کو سمیٹنا شروع کر دیتا۔ وہ بڑی قیمتی چائے تھی۔ وہ کوئی کپڑا تلاش کرنے کے لئے اٹھ رہا تھا۔ تاکہ نیچے گری ہوئی چائے کو خشک کرسکے' اچانک اسے احساس ہوا کہ چائے کی طلب تو وہیں کی وہیں رہ گئی۔ چائے پئے بغیر تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ چلو ایک خواہش اور سہی!

غلطی اس کی اپنی تھی۔ پلنگ اس لئے نہیں ہوتے کہ ان پر بیٹھ کر چائے پی جائے۔ اس بار وہ چائے کی پیالی لے کر نیچے دری پر آبیٹھا "مجھے چائے سے بھری ہوئی ایک چائے دانی درکار ہے۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔

پہلے کی طرح ایک اور چائے دانی نمودار ہوئی۔ اس بار اس نے بڑی احتیاط سے چائے دانی کو پکڑا اور پیالی میں چائے نکالی۔ چائے کی صورت دیکھتے ہی اسے غصہ آگیا۔ چائے میں دودھ نہیں پڑا ہوا تھا۔ وہ کالی چائے تھی۔

اسے احساس ہونے لگا کہ لفظوں کی اہمیت اس سے کہیں زیادہ ہو گئی ہے جتنا وہ سمجھ رہا تھا۔ اسے لفظوں کے معاملے میں بہت محتاط رہنا ہوگا۔ اپنی بات مکمل وضاحت اور صراحت سے کہنے کی عادت ڈالنا ہوگی۔ یہ طے تھا کہ یہ دیوی کی بدمعاشی ہے۔

چائے اسے بہرحال پینا تھی۔ اب وہ پھر چائے طلب کرکے کیوں شرمندہ ہو۔ اس بار اس نے دودھ کی خواہش کرڈالی۔

ایک ثانئے میں دودھ دانی بھی آگئی!

اس نے چائے میں دودھ ملایا اور چمچے سے ہلایا۔ چائے کی طلب بہت زور پکڑ گئی تھی۔ اس نے بے تابی سے پیالی اٹھا کر ہونٹوں سے لگائی اور چائے کا گھونٹ لیا۔

وہ اس کے لئے قیامت کا لمحہ تھا۔ اسے اچھو ہوگیا۔ چائے میں چینی کی جگہ نمک ملا ہوا تھا۔ وہ کڑوی زہر ہو رہی تھی۔

ایک نقصان اور ہوا۔ چائے کی پیالی اس کے ہاتھ سے چھوٹی اور گر کر ٹوٹ گئی

تھی۔ دری بھی گیلی ہوئی تھی۔ سب سے بڑی بات یہ کہ چائے کی طلب وہیں کی وہیں تھی۔

چائے اب صرف طلب نہیں رہی۔ اس کی انا کا مسئلہ بن گئی "مجھے بہت اچھی' خوش ذائقہ اور نارمل چائے کی چائے دانی چاہئے۔ عام سی چائے جس میں پتی نسبتاً زیادہ ہو میٹھا نہ بہت زیادہ ہو نہ بہت کم اور دودھ بھی مناسب مقدار میں ہو۔ سنا تم نے۔ مجھے نارمل چائے لا کر دو۔"

ایک اور چائے دانی آگئی۔ اس نے ڈھکن ہٹا کر دیکھا۔ معلوم تو وہ چائے ہی ہوتی تھی۔ مہک بھی بہت اچھی تھی اور صورت بھی۔ باقی پینے پر ہی پتا چلتا۔ وہ جا کر کچن سے ایک اور خالی پیالی لے آیا۔ پیالی میں چائے ڈالتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ اس کے ہاتھوں میں لرزش ہے۔ یہ تشویش ناک بات تھی۔

اچانک اس کے ہاتھ بے قابو ہو گئے اور پیالی اور چائے دانی دونوں لڑھک گئیں۔

اس بار وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گیا۔ بے بسی کا ایک ایسا شل کر دینے والا احساس اسے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ اب بھی لرز رہے تھے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ" وہ بڑبڑایا۔ یقیناً یہ سب کچھ وہ منحوس دیوی کر رہی ہے۔

اس نے دیوی کو ذمے دار تو ٹھہرایا لیکن اس کی تسلی نہیں ہوئی۔ وہ سوچتا جاگتا ہوا ذہن رکھتا تھا۔ وہ یقین رکھتا تھا کہ انسان زمین پر خدا کا نائب ہے یعنی وہ تمام مخلوقات سے برتر ہے۔ دیوی اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی۔ بس ایک ہی طاقت تھی جس کے سامنے وہ بے بس تھا۔ وہ طاقت اللہ کی تھی۔

اس کی چار خواہشات ضائع ہو چکی تھیں اور چائے کی طلب پھر بھی نہیں مٹ سکی تھی۔ یہ بہت بڑا خسارے کا سودا تھا لیکن اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس نقصان میں بھی فائدہ ہے۔ وہ ٹٹولے تو اس کے تجربات میں بیش بہا اضافہ ہو سکتا ہے جو عمر بھر اس کے کام آئیں گے بس اسے تجزیہ کرنا ہوگا' سمجھنے کی کوشش کرنا ہوگی۔

اس نے غصے اور جھنجلاہٹ کو ذہن سے جھٹکا اور ٹھنڈے دل سے سوچنے بیٹھ گیا۔

پہلی بات تو یہ کہ لفظوں کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ بات اس کی سمجھ میں خوب اچھی طرح آگئی۔ کیسی عجیب بات ہے لفظ دنیا کی ارزاں ترین شے! اور اہم؟ لفظ جو ہر انسان بے دریغ بولتا ہے۔ بے سوچے سمجھے بولتا ہے جنہیں سننے والے بھی اہمیت نہیں دیتے۔ لفظوں کی اتنی اہمیت ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ دعا کرتے وقت آدمی کو بہت محتاط رہنا چاہئے لفظوں کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کرنا چاہئے۔ کیونکہ قبولیت کے لمحوں میں دعا لفظ بہ لفظ قبول ہو جاتی ہے۔

دوسری بات اس کی سمجھ میں یہ آئی کہ تقدیر بڑی چیز ہے۔ ابا ہمیشہ کہتا تھا کہ بیٹا تقدیر بڑی چیز ہے۔ تقدیر کا لکھا نہیں ٹل سکتا۔ آدمی کو بس دعا کرتے رہنا چاہئے عاجزی کے ساتھ' اللہ کے سامنے ہاتھ اور جھولی پھیلا کر بھکاریوں کی طرح' دعا قبول ہو جائے تو اللہ تقدیر کا لکھا بھی بدل دیتا۔ وہ تو حاکم ہے نا۔

تو دوسری بات یہ تھی کہ اللہ کے سامنے عاجزی ہی بہتر ہے۔ اب یہی دیکھ لو کہ چائے تمہارے سامنے آئی۔ تمہاری دسترس میں تھی لیکن گر گئی۔ تم چائے پی نہیں سکے۔ خواہش تو پوری ہو گئی لیکن ملا کچھ بھی نہیں۔ تو پھر عاجزی سے کی جانے والی دعا یقینی طور پر پوری ہونے والی خواہش سے بہتر ہوئی نا۔

تو ہونا یوں چاہئے کہ پہلے اللہ سے گڑگڑا کر دعا کی جائے اور اس کے بعد خواہش کی جائے لیکن یہ بھی ذہن میں رکھنا ہوگا کہ ضروری نہیں' دعا فوری طور پر قبول ہو جائے۔ ابا کہتا تھا بیٹے دعا کبھی ضائع نہیں ہوتی۔ بعض اوقات دعا دیر میں قبول ہوتی ہے کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ زندگی ختم ہو جاتی ہے اور دعا قبول نہیں ہوتی۔ تو پھر اللہ تعالیٰ اس کا اجر آخرت میں دیتے ہیں اور دعا سے بڑھ کر دیتے ہیں۔ جو دعا اللہ کو منظور نہیں ہوتی اس کا بدل بھی وہ دعا سے بڑھ کر دیتے ہیں۔

تیسری بات یہ سمجھ میں آئی کہ اس نے معاوضہ لے کر دوسروں کی خواہشات پوری کرنے کا فیصلہ درست کیا ہے۔ تمام تر احتیاط کے باوجود اگر گڑبڑ ہو گی تو نتائج بھی

خواہش کرنے والوں ہی کے حصے میں آئیں گے۔

چوتھی بات یہ طے ہوئی کہ دیوی نے دشمنی کا تہیہ کرلیا ہے۔ اسے اس کی طرف سے محتاط رہنا ہوگا۔ وہ اپنی ذہانت سے دیوی کو شکست دے سکتا ہے۔

پانچویں بات یہ کہ اسے اپنے اعصاب پر قابو رکھنا ہوگا۔ آخری بار چائے اس کی اعصاب زدگی کی وجہ سے گری تھی۔ یہ الگ بات کہ اس وقت چائے اس کی تقدیر میں ہی نہ ہو۔

اب وہ بے حد پُرسکون انداز میں اصل مسئلے کی طرف آیا۔ چائے! کیا کیا جائے؟ اتنی خواہشات کے ہوتے ہوئے اتنی سی خواہش سے دستبردار ہونا تو ٹھیک نہیں۔ پھر یہ بات اس کے مورال کے لئے بھی نقصان دہ ہوگی اور چائے پی کر ہی وہ سکون سے مستقبل کے لئے پلاننگ کرسکے گا۔

اس نے خود کو پُرسکون کیا اور آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ اس نے دل ہی دل میں عاجزی سے اللہ سے دعا کی اسے چائے پینے کا موقع عنایت فرمایا جائے۔ دعا کے بعد اس کا سکون اور بڑھ گیا۔ اب اس نے بڑے اعتماد سے خواہش کی "مجھے ایک پیالی بہت اچھی' بے حد خوش ذائقہ دودھ پتی چائے چاہئے۔ پتی تیز اور میٹھا ذرا کم۔" ملباری کے ہوٹل میں وہ اسی انداز میں چائے طلب کرتا تھا۔

چائے کی پیالی تیرتی ہوئی اس کے سامنے آئی۔ اس نے پیالی کو تھام کر سامنے رکھ لیا۔ چائے دیکھنے میں بہت اچھی لگ رہی تھی لیکن گرم بہت تھی۔ وہ دو منٹ انتظار کرتا رہا۔ پھر اس نے پہلا گھونٹ لیا۔ چائے بہت عمدہ تھی۔

وہ وقفے وقفے سے چائے کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتا رہا۔ اس کے وجود میں طمانیت تیرتی گئی۔ چائے کا آخری گھونٹ لیا تو وہ سرشار ہو چکا تھا۔ اس نے بڑے خلوص سے اللہ کا شکر ادا کیا۔ یہ ترکیب اچھی تھی' خواہش کو دعا اور شکر کے درمیان رکھنے میں عافیت ہے۔

اب اس نے سکون سے اپنی انوکھی کمپنی کے بارے میں سوچنا شروع کیا۔ اس کے

قیام کے لئے اسے سرمائے کی ضرورت تھی۔ اور یہ وہ پہلے ہی طے کرچکا تھا کہ براہ راست دولت کی وہ خواہش نہیں کرے گا تو اس سرمائے کا بندوبست کیسے کیا جائے؟ اس کا ذہن فوری طور پر انعامی اسکیموں کی طرف گیا۔ انعامی ریفل ٹکٹ' پرائز بانڈ اور ایسی ہی چیزیں لیکن اس کے لئے بھی پیسوں ہی کی ضرورت تھی۔ پھر یہ بھی تھا کہ انعام نکلنے میں دیر لگتی جبکہ اسے فوری طور پر رقم درکار تھی۔

وہ فوری طور پر رقم حاصل کرنے کی ترکیبیں سوچتا رہا' اچانک اسے گھڑدوڑ کا خیال آگیا۔ اس میں رقم فوری طور پر مل جاتی مگر بنیادی مسئلہ اب بھی اپنی جگہ موجود تھا۔ شرط لگانے کے لئے بھی تو پیسوں کی ضرورت تھی۔

اب وہ ایک طرف سے تو مطمئن تھا۔ بس کچھ رقم کہیں سے حاصل ہو جائے پھر وہ ریس کورس کا رخ کرے گا اور مزید رقم حاصل ہو جائے گی لیکن فوری طور پر رقم کیسے حاصل کی جائے؟ اس پر سوچتے سوچتے اچانک اسے ایک خیال سوجھ گیا۔ اب وہ اپنی گھڑی فروخت کرسکتا ہے اب وہ لٹے گا نہیں۔ اسے گھڑی کی معقول قیمت ملے گی۔

"میں اپنی گھڑی فوری طور پر فروخت کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے کہا "اس طرح کہ مجھے اس کی زیادہ سے زیادہ قیمت ملے۔"

اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ بارہ بجنے والے تھے۔ اس نے دروازہ بند کرکے تالا لگایا اور نیچے چلا آیا۔ نیچے کوئی جانا پہچانا چہرہ نہیں تھا۔ وہ اکبر روڈ کی طرف چل دیا۔ دیکھنا یہ تھا کہ اس کی یہ تازہ ترین خواہش کس انداز میں پوری ہوتی ہے۔

اس کے لئے اسے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔

اکبر روڈ پر چلنا آسان کام نہیں۔ ہر دکان کے باہر آٹھ دس موٹر سائیکلیں کھڑی ہوتی ہیں' جن کی وجہ سے خاصی کشادہ سڑک بھی تنگ ہوگئی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ سڑک پر ٹریفک بھی اچھا خاصا ہوتا ہے۔ وہ بچ بچا کر چل رہا تھا کہ کسی نے اسے روک لیا۔ "ذرا وقت بتا دیجئے۔"

ذہین اختر نے اپنی گھڑی میں وقت دیکھا "بارہ بج کر پانچ منٹ ہوئے ہیں۔" اس

نے بتایا۔

وقت پوچھنے والا ایک خوش پوش آدمی تھا۔ ذہین اختر کو احساس ہوا کہ وہ اس کی گھڑی کو بہت غور سے دیکھ رہا ہے۔ اگلے ہی لمحے اس کے اندازے کی تصدیق بھی ہو گئی۔ اس شخص نے کہا "مائنڈ نہ کریں تو ذرا اپنی گھڑی مجھے دکھا دیں۔"

ذہین اختر نے گھڑی کلائی سے اتار کر اس شخص کی طرف بڑھا دی۔ دونوں دو موٹر سائیکلوں کے درمیان تنگ سی جگہ میں پھنسے کھڑے تھے۔ وہ شخص گھڑی کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا پھر اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا "بہت پیاری گھڑی ہے۔ میں بہت عرصے سے ایسی ہی گھڑی کی تلاش میں تھا۔"

"جی؟" ذہین اختر نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں۔" اس شخص نے کہا۔ اسی وقت ایک موٹر سائیکل سوار اس طرف آیا۔ وہ اپنی موٹر سائیکل وہاں کھڑی کرنا چاہتا تھا' جہاں وہ دونوں کھڑے تھے۔ اس نے ہاتھ سے انہیں ہٹنے کا اشارہ کیا۔ اتنی دیر میں ہارن بجنے لگے۔ اس موٹر سائیکل کی وجہ سے ٹریفک جام ہو رہا تھا۔

"اس طرف آیئے۔" اس شخص نے ذہین اختر کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا "یہاں سکون سے بات نہیں ہو سکتی۔"

"لیکن بات کیا کرنی ہے۔" ذہین اختر نے احتجاج کیا مگر اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔

"آپ آیئے تو۔" اس شخص نے اسے کھینچتے ہوئے کہا۔

وہ ذہین اختر کو ریگل چوک کی طرف لے آیا' جہاں الیکٹرونکس کی دکانیں تھیں۔ وہاں فٹ پاتھ پر چہل پہل تو تھی لیکن اکبر روڈ جیسی ابتری بہرحال نہیں تھی۔ گھڑی ابھی تک اسی شخص کے ہاتھ میں تھی۔ وہ گھڑی والا ہاتھ اونچا کر کے گھڑی کو دیکھنے لگا۔ دھوپ کا رخ ہونے کی وجہ سے گھڑی سے شعاعیں نکلتی محسوس ہوئیں۔

"بات کیا ہے آخر؟" ذہین اختر نے پوچھا۔

"بات یہ ہے کہ میں یہ گھڑی خریدنا چاہتا ہوں۔"

"اور اگر میں یہ کہوں کہ میں اسے فروخت نہیں کرنا چاہتا۔" ذہین اختر نے محتاط طرز عمل اختیار کیا۔

"میں آپ کو اس کی بہت مناسب قیمت ادا کروں گا۔"

"مثلاً؟"

وہ شخص جھجکا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ ان کے قریب دو آدمی آکر کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ بے حد دلچسپی سے کبھی گھڑی کو دیکھ رہے تھے' کبھی ان دونوں کو۔ "آپ لوگ جائیں۔ اپنا کام کریں۔" اس شخص نے ان دونوں سے بڑی بدمزگی سے کہا "یہاں کوئی تماشا نہیں ہو رہا ہے۔"

"یہ فٹ پاتھ آپ کا خریدا ہوا نہیں ہے۔" ان دونوں میں سے ایک نے کہا۔ وہ ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ وضع قطع سے معزز لگتا تھا۔ دوسرا شخص بھی خوش پوش تھا۔ اس کی عمر تیس بتیس کے لگ بھگ ہو گی۔ وہ خاموش کھڑا مسکراتا رہا۔

"انہیں چھوڑیں۔ آپ کام کی بات کریں۔" ذہین اختر نے کہا "میں یہ گھڑی بیچنا نہیں چاہتا لیکن معقول قیمت ملے تو شاید بیچ بھی دوں۔"

"میں آپ کو اس کے سات سو روپے دے سکتا ہوں۔"

"لایئے گھڑی مجھے دے دیجئے۔" ذہین اختر نے کہا۔ اس نے وہ گھڑی چار سال پہلے صرف ساڑھے چار سو روپے میں خریدی تھی۔

"تو اس لئے ہٹا رہے تھے آپ ہمیں۔" دوسرے دونوں آدمیوں میں سے جوان نے گھڑی کے خریدار سے کہا۔

"کیا مطلب؟" خریدار نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔ اس نے گھڑی ذہین اختر کو واپس نہیں کی تھی۔

"مطلب یہ کہ آپ اس شریف آدمی کو دن دہاڑے' بھرے پرے چوک میں لوٹ رہے ہیں۔"

"یہ کیا بکواس ہے؟"

"آپ ان کی باتوں میں نہ آئیں۔" جوان آدمی ذہین اختر سے مخاطب ہو گیا "آپ کو اس گھڑی کے آٹھ سو تو میں بھی دے سکتا ہوں۔"

"لیکن میں اسے فروخت کرنا نہیں............"

"ہزار مجھ سے لے لیں۔" ادھیڑ عمر آدمی نے کہا۔

"آپ لوگ خواہ مخواہ ٹانگ اڑا رہے ہیں۔ اس گھڑی میں ایسی کوئی خاص بات نہیں.........." پہلا خریدار بولا۔

"تو پھر آپ اس میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہیں۔"

"اس کی ایک جذباتی وجہ ہے۔" پہلے خریدار نے کہا پھر وہ ذہین اختر کی طرف مڑا "بولیں۔ آپ کیا کہتے ہیں۔"

"میں کیا عرض کروں۔" ذہین اختر نے خود پر بے بسی طاری کرتے ہوئے کہا "آپ دیکھ رہے ہیں ہزار تو پہلے ہی لگ چکے ہیں گھڑی کے۔"

"ٹھیک ہے میں گیارہ سو دوں گا۔" پہلے خریدار نے تلملا کر کہا۔

اس دوران وہاں کچھ اور لوگ جمع ہو گئے تھے۔ ادھیڑ عمر شخص نے چیخ کر کہا "میں زیادتی نہیں ہونے دوں گا۔ میں بارہ سو دوں گا۔"

"مجھ سے ڈیڑھ ہزار لے لیں۔" جوان آدمی بولا۔

ذہین اختر نے پھر گھڑی لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا مگر پہلے شخص نے گھڑی واپس نہیں دی "میں یہ گھڑی خریدوں گا۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "سولہ سو۔"

"سترہ سو۔" جوان آدمی نے کہا۔

"اٹھارہ سو۔" ادھیڑ عمر شخص بولا۔

چند منٹ میں وہاں نیلامی کا سماں بندھ گیا۔ غیر محسوس طور پر ہجوم بڑھتا گیا۔ ہجوم میں سے بھی لوگ بولی میں شامل ہو گئے۔ ذہین اختر حیرت سے یہ تماشا دیکھتا رہا۔ ہجوم کی دیوانگی پہلی بار اس کی سمجھ میں آ رہی تھی۔ لوگ بے سوچے سمجھے بولی بڑھا رہے تھے۔

مجمع تھا کہ بڑھتا جا رہا تھا۔ بولی بڑھنے کی رفتار بھی کم نہیں تھی۔

"32 سو.........."

"33 سو.........."

ذہین اختر نے دیکھا۔ گھڑی کا پہلا امیدوار اب بھی ڈٹا ہوا تھا۔ ادھیڑ عمر شخص اور جوان آدمی ڈھیلے پڑ چکے تھے۔ ان کی جگہ تازہ دم لوگوں نے لے لی تھی۔ گھڑی بدستور پہلے امیدوار کے ہاتھ میں تھی۔ کچھ لوگوں نے دیکھنے کی غرض سے گھڑی اس سے لینے کی کوشش کی مگر اس نے انہیں جھڑک دیا "یہ کوئی نیلام نہیں ہو رہا ہے۔" اس کے باوجود بولی بڑھتی گئی۔

"چار ہزار.........."

"اکتالیس سو۔"

ذہین اختر نے دیکھا کہ چوک پر ٹریفک کنٹرول کرنے کے لئے کھڑا ہوا پولیس مین مجمع کی طرف متوجہ ہو گیا ہے۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ کسی بھی وقت اس طرف چل پڑے گا۔

ذہین اختر نے جان لیا کہ یہ معاملہ اب مخدوش ہو جائے گا۔ گھڑی میں ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ اس کی اتنی قیمت لگتی۔ پولیس مداخلت کر بیٹھتی تو بات کچھ کی کچھ ہو جائے گی۔ ممکن ہے، گھڑی بھی ہاتھ سے جاتی رہے اور حوالات کا منہ بھی دیکھنا پڑے۔ فراڈ کا کوئی کیس بھی بن سکتا ہے۔

پولیس والا اب اس طرف چل پڑا تھا۔ دوسری طرف گھڑی کے پہلے امیدوار نے کہا "چار ہزار آٹھ سو۔"

ذہین اختر نے فوراً ہی اس کا ہاتھ تھام لیا "بس گھڑی آپ کی ہوئی۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" مجمع میں سے کسی نے احتجاج کیا "میں پانچ ہزار دوں گا۔"

"یہ کوئی نیلام گھر نہیں ہے۔ میں اپنی چیز جسے چاہوں بیچوں، کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔" ذہین اختر نے سرد لہجے میں کہا اور پہلے امیدوار کا ہاتھ تھام کر بولا "آئیے یہاں

سے نکل چلیں۔ کہیں بیٹھ کر سکون سے بات کریں گے۔"

پہلا خریدار اس کے ساتھ چل دیا۔ کچھ لوگ تھوڑی دور تک ان کے پیچھے آئے پھر مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔ ذہین اختر نے پلٹ کر دیکھا۔ پولیس والے کی آمد سے پہلے ہی مجمع منتشر ہو چکا تھا۔ وہ گھڑی کے خریدار کی طرف متوجہ ہو گیا "لایئے اب مجھے ادائیگی کر دیجئے۔"

پہلا خریدار پریشان نظر آنے لگا "کتنی ادائیگی؟"

"جو آپ نے آخری قیمت لگائی ہے۔ چار ہزار آٹھ سو۔"

"میرے پاس تو اتنی رقم نہیں ہے۔"

"تو پھر بڑھ چڑھ کر بولی کیوں لگا رہے تھے؟" ذہین اختر نے تلخی سے کہا۔ اسے بہت مایوسی ہوئی تھی۔

"پتا نہیں کیا ہو گیا تھا مجھے۔ بس عزت کا مسئلہ بن گیا تھا۔" اس شخص نے جھینپتے ہوئے کہا۔

"میرا تو نقصان ہو گیا نا۔" ذہین اختر نے جھنجلا کر کہا "آدمی کو اپنی جیب کے مطابق بولنا چاہئے۔"

اس شخص کو یہ بات بری لگی "گھڑی میں خریدوں گا۔ ادائیگی بھی کروں گا لیکن اس کے لئے تمہیں میرے دفتر چلنا پڑے گا۔"

ذہین اختر خوش ہو گیا "تو چلئے۔"

☆------------○------------☆

آدھ گھنٹے بعد ذہین اختر اس شخص کے دفتر سے نکلا تو اس کی جیب میں پانچ ہزار روپے تھے۔ وہ بہت خوش تھا۔ پہلے مرحلے میں وہ کامیاب ہو گیا تھا۔ اب اس کا منصوبہ دوسرے مرحلے میں داخل ہو رہا تھا۔ آگے کامیابی کا انحصار ان پانچ ہزار روپوں پر تھا جو اس کی جیب میں تھے۔ یہ سوچتے ہی اسے خیال آیا کہ جیب بڑی ناقابل اعتبار شے ہے۔ کٹ بھی سکتی ہے۔ اس کا بھیانک تجربہ اسے صرف دو دن پہلے ہوا تھا۔

"میری خواہش ہے کہ میری جیب زندگی میں کبھی نہ کٹے۔" اس نے بے حد جامع خواہش کی۔

اس نے انگریزی اخبار خریدا اور ایک بہت اچھے ریسٹورنٹ میں جا بیٹھا۔ کھانے کا آرڈر دینے کے بعد اس نے اسپورٹس کا صفحہ نکالا اور گھڑ دوڑ کے بارے میں پڑھنے لگا۔ اس سے اسے بہت کارآمد معلومات حاصل ہوئیں۔ اس نے ڈٹ کر کھانا کھایا۔ باہر نکل کر ٹیکسی روکی اور اسے نئے ریس کورس چلنے کو کہا جو شہر سے باہر مضافات میں بنایا گیا تھا۔ وہاں پہنچ کر اسے احساس ہوا کہ جنگل میں منگل منایا جا رہا ہے۔ شہر کے سب شوقین لوگ وہاں جمع تھے۔ پہلی ریس تین بجے ہونا تھی۔

اس نے فارم خریدے اور ان کا جائزہ لیا۔ پہلی ریس میں آٹھ گھوڑے حصہ لے رہے تھے۔ اسے گھوڑوں کے ناموں سے یا ان کے فیورٹ ہونے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اسے تو صرف بھاؤ سے غرض تھی۔ پہلی ریس کے لئے جان عالم سب سے پھسڈی گھوڑا تھا۔ اس پر 14-1 کا بھاؤ تھا۔

ذہین اختر نے پندرہ منٹ میں فیصلہ کر لیا کہ اسے کیا کرنا ہے اس روز چھ ریسیں ہونا تھیں۔ اس نے پہلی اور پانچویں ریس میں جیتنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ یہاں لوگ شکوک و شبہات میں مبتلا ہوں۔ اسے اندازہ تھا کہ یہ جواری لوگ کس طرح کے ہوتے ہیں۔

اس نے جان عالم پر چار ہزار روپے لگانے کا اعلان کیا تو کلرک نے ہمدردی سے اسے دیکھا لیکن کہا کچھ نہیں۔

ریس شروع ہونے سے پہلے اس نے خواہش کی "میری خواہش ہے کہ یہ ریس جان عالم جیتے۔ پہلے نمبر پر رہے۔"

ریس شروع ہوئی تو جان عالم توقع کے عین مطابق سب سے پیچھے تھا۔ لوگ پُرجوش انداز میں اپنے اپنے فیورٹ گھوڑے کو چیخ چیخ کر بڑھاوا دے رہے تھے پھر اچانک جان عالم کی رفتار بڑھنی شروع ہوئی۔ ایک ایک کر کے گھوڑے پیچھے ہونے لگے۔ ریس

کورس کا شوروغل سناٹے میں تبدیل ہوگیا۔ وننگ پوسٹ اب تھوڑی دور تھی اور جان عالم صرف ہاٹ فیورٹ گھوڑے مستانے ماہی سے پیچھے تھا۔ اب صرف مستانہ ماہی پر شرطیں لگانے والے چلارہے تھے۔

لیکن آخری پانچ میٹر کے فاصلے میں پانسا پلٹ گیا۔ جان عالم نے واضح برتری کے ساتھ ریس جیت لی۔ ذہین اختر رقم لینے ونڈو پر پہنچا تو کلرک نے مسکرا کر اسے دیکھا "آپ کا فلوک تو خوب لگا جناب۔"

"میں نے اپنے طور پر چار ہزار ڈبو دیے تھے۔" ذہین اختر نے بے نیازی سے کہا۔

دوسری' تیسری اور چوتھی ریس میں بھی اس نے سب سے زیادہ بھاؤ والے گھوڑوں پر پانچ ہزار روپے لگائے اور ہار گیا۔ اب اسے پانچویں ریس میں لمبا ہاتھ مارنا تھا۔ گھوڑے کا نام تھا مشک بو اور اس پر بھاؤ 20-1 کا تھا۔

وہ ونڈو پر پہنچا اور اپنی جیب خالی کر دی "یہ 45 ہزار مشک بو پر۔" اس نے کہا۔

کلرک اب اسے پہچان چکا تھا۔ اس نے حیرت سے اسے دیکھا "آپ چار فلوک کھیل چکے ہیں جناب........"

"ہاں........ ایک لگا اور تین ناکام ہوئے۔ اب میں پانچواں فلوک کھیل رہا ہوں۔"

"لیکن اتنی بڑی رقم؟"

"قسمت ساتھ دے تو اس پر اعتبار بھی کرنا چاہئے۔" ذہین اختر نے خالص جواریوں کے انداز میں کہا "تین بار میں نے غلطی کی کہ تھوڑی تھوڑی رقم لگائی اب پوری طرح اعتبار کر رہا ہوں قسمت پر۔ ہار گیا تو سمجھ لوں گا کہ میرے چار ہزار پہلی ہی بار ڈوب گئے تھے اور یہ بھی ہے کہ چار ہزار میں' میں نے کتنی تفریح کرلی۔"

"آپ کی سوچ بڑی زبردست ہے جناب۔ وش یو گڈ لک۔"

"شکریہ۔"

ذہین اختر نے خواہش کی تھی للہذا مشک بو کے نہ جیتنے کا کوئی سوال نہیں تھا۔ ذہین

اختر نو لاکھ کا مالک بن چکا تھا۔ وہ باہر آیا جہاں کاروں کے علاوہ خاصی تعداد میں ٹیکسیاں موجود تھیں ان میں اسے وہ ڈرائیور بھی نظر آیا جو اسے یہاں لے کر آیا تھا۔ وہ اس کی طرف لپکا "خوش نظر آرہے ہیں صاحب۔ لگتا ہے لمبا مال جیتا ہے۔" ڈرائیور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم مجھے لے کر چلو خوش کردوں گا تمہیں۔"

☆-------------○-------------☆

ذہین اختر کے لئے وہ رات بہت بھاری تھی۔

ریس کورس میں کچھ نہیں ہوا۔ ٹیکسی کے سفر کے دوران بھی کچھ نہیں ہوا لیکن گھر پہنچتے ہی اسے بخار ہوگیا۔ کامیابی کا بخار!

چوتھی منزل کا وہی کمرا تھا۔ وہی کھلی کھڑکیوں سے کمرے میں آتے ہوئے ہوا کے جھکڑ۔ لیکن اس کا جسم پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔ اندر تھرتھری سی دوڑ رہی تھی۔ وہ بے یقینی سے نوٹوں کو چھو کر دیکھتا۔ کبھی اپنے جسم میں چٹکی لیتا کہ کہیں یہ خواب تو نہیں۔ وہ جو اس یقین کے لئے اپنے جسم میں چٹکی بھرنے کا قائل ہی نہیں تھا۔ اب بار بار اپنے چٹکیاں لے رہا تھا اور اس کے باوجود اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ ابتدائی مرحلے میں ہی وہ لکھ پتی ہو چکا ہے۔

نو لاکھ روپے!

یقین آگیا تو اس پر لٹنے کا خوف طاری ہوگیا۔ کوئی آئے گا اور اسے لوٹ کر لے جائے گا۔ اس کے پاس نو لاکھ روپے چھپانے کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔ اسے یاد آیا کہ اس نے خواہش کی تھی کہ زندگی میں کبھی اس کی جیب نہ کٹے۔ تو گویا رقم کے لئے محفوظ ترین مقام اس کی جیب تھا لیکن نو لاکھ روپے جیبوں میں رکھ کر کوئی سو نہیں سکتا۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ کوئی گھر میں گھس آئے اور اس کی جیبیں خالی کرالے تو یہ جیب کٹنے کا نہیں ڈکیتی کا کیس ہوگا۔ تو پھر ایسا کیا جائے کہ رقم جیبوں میں لئے وہ باہر نکل جائے اور بینک کھلنے تک باہر ہی گھومتا رہے۔

اسے احساس ہوا کہ وہ ہذیانی انداز میں سوچ رہا ہے۔ رات کو باہر جیب کترے تو نہیں ملیں گے لیکن پولیس والے اسے آوارہ گردی کے جرم میں ضرور پکڑلیں گے۔ اس کے بعد اس کے پاس نو لاکھ روپے میں سے نو پیسے بھی نہیں بچیں گے اور اسے جیب کترا بھی نہیں کہا جائے گا۔

اسے محسوس ہوا کہ خواہش کرنے ہی میں عافیت ہے!

"میری خواہش ہے کہ میں زندگی میں کبھی نہیں لوٹا جاؤں۔ میرے گھر کبھی چوری نہ ہو کبھی ڈاکا نہ پڑے راستے میں بھی کبھی مجھ سے رقم نہ چھنے۔"

یہ خواہش کرنے کے بعد اسے قدرے سکون ہوگیا لیکن لکھ پتی بننے کی سنسنی ایسی نہیں تھی کہ آسانی سے سنبھلنے دیتی۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھنے کے لئے ہاتھ اٹھایا۔ خالی کلائی دیکھ کر اسے یاد آیا کہ گھڑی سے تو وہ محروم ہو چکا ہے بلکہ اس گھڑی ہی نے اسے نو لاکھ کا مالک بنایا ہے۔ یہ خیال آگیا ہوتا تو اس نے واپسی میں گھڑی خریدلی ہوتی۔

وہ کھڑکی میں جاکھڑا ہوا۔ رات کی روشنیاں اور رونق معمول کے مطابق تھی۔ ان سے وقت کا اندازہ لگانا ناممکن نہیں تھا۔ اسے اتنا معلوم تھا کہ وہ آٹھ بجے کے لگ بھگ گھر پہنچا تھا۔ گھر آئے ہوئے کتنے دیر ہوئی اس کا اسے بالکل اندازہ نہیں تھا۔ کیفیت ہی ایسی تھی کہ اس میں وقت کا پتا نہیں چل سکتا تھا۔

ویسے وقت کی اتنی اہمیت بھی نہیں تھی۔ بھوک اسے بالکل نہیں تھی اور لگتا تھا کہ بھوک لگے گی بھی نہیں، نو لاکھ روپے کا نشہ ایسا تھا کہ اس نے ہر خواہش کو مٹا کر رکھ دیا تھا۔ اسے تو نیند بھی نہیں آسکتی تھی۔

لیکن نیند بہت ضروری تھی۔ اسے ایک اچھی نیند لے کر صبح معمول کے مطابق اٹھنا تھا۔ رقم بینک میں جمع کراکے اسے اپنا دفتر قائم کرنے کی فکر کرنا تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ اس کی آنکھوں میں نیند کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

نیچے اسے سلیمان ایک طرف جاتا دکھائی دیا۔ اس نے اسے پکارا۔ سلیمان نے سر اٹھاکر اسے دیکھا تو اس نے پوچھا "سلیمان وقت کیا ہوا ہے؟"

"ساڑھے دس بجے ہیں ذہین بھائی۔"

وہ کھڑکی سے ہٹ آیا اور بستر پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ اس بات کا یقین تھا کہ بھوک اسے کم از کم رات کو پریشان نہیں کرے گی اور صبح وہ بہت اچھا ناشتا کرلے گا۔ بس سونا ضروری ہے۔

اس کے اندازے کے مطابق ڈیڑھ گھنٹا ہوگیا اور اسے نیند نہیں آئی۔ گردو پیش کی تمام آوازیں معدوم ہو چکی تھیں۔ صرف رات کی مخصوص آوازیں رہ گئی تھیں۔ آدھی رات ہو چکی تھی، کیا وہ صبح تک اسی طرح جاگتا رہے گا؟

"میں پُرسکون نیند سونا چاہتا ہوں۔" اس نے بے ساختہ کہا "صبح نو بجے تک۔"

آدھے منٹ کے اندر اندر وہ سو چکا تھا۔

صبح جانے کس وقت وہ جاگا۔ ایک لمحے کو اس نے آنکھیں کھولیں۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ اس کی آنکھیں خود بخود بند ہوگئیں لیکن اس کے بعد وہ سو بھی نہیں سکا اور جاگنا بھی اس کے لئے ممکن نہیں رہا بلکہ پوری کوشش کے باوجود وہ آنکھیں بھی نہیں کھول سکا۔ عجیب سی بے چینی اور بے سکونی تھی۔ وہ کروٹیں بدلتا رہا۔ جانے کتنی دیر یہ کیفیت رہی۔ اسے بہرحال ایسا لگ رہا تھا۔ کہ وہ بمشکل ایک گھنٹا سکون سے سویا ہے اور اس خراب کیفیت کو چھ سات گھنٹے ہوگئے ہیں۔

آخر کار اس کی آنکھ کھل گئی اور وہ اٹھ بیٹھا۔ کمرے میں اب بھی اندھیرا تھا۔ اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ کھڑکیاں بند ہیں۔ اسے یاد تھا کہ وہ کھڑکیاں کھلی چھوڑ کر سویا تھا۔ سونے سے ایک منٹ پہلے تو وہ کھڑکی کے سامنے کھڑا باہر دیکھ رہا تھا اور اسے یاد تھا کہ بستر پر آنے سے پہلے اس نے کھڑکی بند نہیں کی تھی۔

اس نے بے ساختہ گھڑی دیکھنا چاہی۔ خالی کلائی دیکھ کر اسے یاد آگیا۔ وہ کھڑکی کی طرف گیا اور اسے کھول کر دیکھا۔ باہر دھوپ دیکھ کر اسے اندازہ ہوا کہ وقت زیادہ ہوگیا ہے۔ وہ باتھ روم کی طرف لپکا۔

تیار ہو کر وہ بھری ہوئی جیبوں کے ساتھ نیچے آیا۔ وقت معلوم کیا تو پتا چلا کہ بارہ

بجنے والے ہیں۔ وہ قریبی بینک کی طرف بھاگا۔ کلرک نے بڑی بے نیازی اور نخوت سے اسے فارم دیا کہ اسے بھر لائے۔ فوری طور پر کوئی تعارف کرانے والا اسے میسر نہیں تھا۔ اس نے اس سلسلے میں کلرک سے بات کی تو وہ بولا کہ یہ اس کا درد سر نہیں۔ وہ اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔

ذہین اختر کو اس پر بہت غصہ آیا لیکن غصہ کرنے کا وقت نہیں تھا۔ کلرک کو وہ بعد میں بھی بتا سکتا تھا کہ وہ کتنا بڑا آدمی ہے۔ فی الوقت تو اکاؤنٹ کھول کر نقد رقم کے بوجھ سے پیچھا چھڑانا تھا۔

وہ منیجر کے کمرے میں چلا گیا۔ منیجر نے بھی ابتدا میں بے رخی برتی مگر جب اسے اندازہ ہوا کہ ذہین اختر بینک کا مستقبل کا بڑا کلائنٹ ہے تو اس کا رویہ تبدیل ہو گیا "تعارف کی آپ فکر نہ کریں۔ وہ ہم کرلیں گے۔" اس نے گرم جوشی سے کہا "آپ بس یہاں دستخط کردیں اور اپنا شناختی کارڈ دکھادیں۔ فارم بھی میں ہی بھرلوں گا۔"

یوں ذہین اختر کا بینک اکاؤنٹ کھل گیا!

☆------------○------------☆

وہ پانچ سطری عام سا اشتہار تھا جو ملک کے تمام اخبارات میں شائع ہوا تھا۔ وہ نمایاں طور پر اور کسی نمایاں مقام پر نہیں چھاپا گیا تھا لیکن ایسے اشتہاروں پر بھی ضرورت مندوں کی نظر تو پڑ ہی جاتی ہے۔ وہ اشتہار بھی رائگاں نہیں گیا۔

پیراگون ایسوسی ایٹس کے دفتر میں سیٹھ داؤد نے بڑی توجہ سے وہ اشتہار پڑھا۔ تیسری بار اشتہار پڑھنے کے بعد اس نے قلم کھول کر اشتہار پر نشان لگایا اور اپنے پارٹنر سیٹھ احسان کی طرف بڑھا دیا "ذرا یہ تو پڑھو۔" اس نے کہا۔

احسان نے اخبار لیا اور اشتہار پڑھنے لگا۔

خواہش کا پورا ہونا اب کوئی مسئلہ نہیں۔ آپ کی ہر خواہش پوری ہو سکتی ہے۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ یہ کوئی فراڈ نہیں۔ آپ معاوضہ خواہش کی تکمیل کے بعد ادا کریں۔ ہم آپ کے مسائل سائنٹفک انداز میں حل کرتے ہیں۔ پورے اعتماد کے

ساتھ رجوع کریں۔ خواہش کارپوریشن (لامحدود) فون نمبر 420420۔

اشتہار پڑھ کر سیٹھ احسان ہنسنے لگا "میں سمجھ گیا تم اسی لئے خبروں کے بجائے اشتہار کا صفحہ زیادہ توجہ سے پڑھتے ہو۔"

"کیا مطلب؟"

"منحوس خبروں کے اس دور میں اشتہارات بڑی نعمت ہیں یوں کہاں کسی کو ہنسی آتی ہے۔ اس دور میں تو مسکرانا بھی مشکل ہو گیا ہے۔"

"میں یہ صفحہ ہنسنے کے لئے نہیں پڑھتا۔" داؤد نے بدمزگی سے کہا "اور یہ اشتہار بھی میں نے تمہیں تفریحاً نہیں دکھایا ہے۔"

احسان بھی سنجیدہ ہو گیا "تم اس پلاٹ کے حوالے سے بات کر رہے ہو؟"

"ہاں" سیٹھ داؤد نے کہا "وہ مسئلہ ہے ہی اتنا بڑا۔"

مسئلہ واقعی بڑا تھا۔ وہ صدر کے علاقے میں ایک بہت بڑا رہائشی اور تجارتی پروجیکٹ شروع کرنا چاہتے تھے جس جگہ اس پلازہ کو تعمیر ہونا تھا وہاں کچھ کچے مکان اور کچھ دکانیں تھیں۔ ان کے علاوہ باقی زمین ان کے پاس تھی۔ انہوں نے وہاں کے رہنے والوں اور کاروبار کرنے والوں سے منہ مانگے داموں زمین خریدی تھی لیکن تین دکانیں مسئلہ بن گئیں۔ وہ تھیں بھی فرنٹ پر اور ایک ہی شخص کی ملکیت تھیں۔ عبدالرزاق نے ان کی بڑی سے بڑی آفر ٹھکرادی تھی۔ وہ اپنی زمین بیچنے کے لئے تیار ہی نہیں تھا۔

"تم مایوس بہت جلدی ہو جاتے ہو داؤد۔" سیٹھ احسان نے کہا "اسی لئے کاروبار میں ضعیف الاعتقادی کو گھسیٹ لائے ہو۔"

"ضعیف الاعتقادی کیسی؟" سیٹھ داؤد بولا "تم نے اشتہار غور سے نہیں پڑھا۔ اس میں سائنٹفک انداز کا دعویٰ کیا گیا ہے۔"

"میں اشتہار کے لفظوں کو اہمیت نہیں دیتا۔" احسان نے زہرخند کے ساتھ کہا "یوں تو تم بھی اشتہار دیتے ہو کہ فلیٹ کی بکنگ کے بعد صرف ماہانہ اقساط دینی ہوں گی۔ اس کے باوجود بکنگ کرانے والوں سے سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ اقساط الگ سے وصول

کرتے ہو۔"

یہ دلیل ایسی تھی کہ سیٹھ داؤد نہ چاہتے ہوئے بھی خاموش ہوگیا۔ ورنہ جوابی دلیل اس کے ذہن میں موجود تھی لیکن احسان کے حملے نے اس کے ذہن کو خالی کر دیا تھا۔ وہ کرسی سے اٹھ گیا "میں عبدالرزاق سے ملنے جارہا ہوں۔" اس نے کہا "یہاں کے معاملات تم سنبھال لینا۔"

☆-------------○-------------☆

کشت گان ہوس و محبت کے لئے وہ اشتہار خصوصی دلچسپی رکھتا تھا!

نائلہ صبح سے اپنے شوہر عامر کو جگانے کی کئی کوششیں کر چکی تھی اور اب جھنجلا رہی تھی "میں آخری بار کہہ رہی ہوں عامر کہ اٹھ جاؤ۔" اس نے پاؤں پٹختے ہوئے کہا "اس کے بعد تم بھلے شام تک پڑے سوتے رہو۔ میں نہیں جگاؤں گی تمہیں۔"

عامر جمشید نے آنکھیں کھول دیں "کیا مصیبت ہے بھئی۔" وہ جھنجلا گیا مگر جیسے ہی اس کی نظر دیواری کلاک پر پڑی اس کی جھنجلاہٹ ہوا ہوگئی۔ ساڑھے دس بج رہے تھے "ارے اتنی دیر ہوگئی اور تم مجھے اب اٹھا رہی ہو؟" وہ پھر جھنجلا گیا۔

"میں تمہیں ساڑھے آٹھ بجے سے جگانے کی کوشش کر رہی ہوں۔" نائلہ نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "اب تم باتھ روم جاؤ' میں ناشتہ لگاتی ہوں۔"

عامر باتھ روم چلا گیا۔ باتھ روم میں وہ حمیرا کے متعلق سوچ کر جھنجلاتا رہا۔ یہ سب کچھ حمیرا کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ وہ اس کے حواسوں پر چھا گئی تھی۔ اس کی حیوانی طلب دیوانگی کا روپ اختیار کر گئی تھی۔

مسئلہ یہ تھا کہ حمیرا بھی شادی شدہ تھی۔ حالانکہ جس طبقے سے وہ تعلق رکھتے تھے اس میں یہ کوئی مسئلہ نہیں ہوتا مگر حمیرا عجیب عورت تھی۔ اس کا اپنا گناہ و ثواب کا ایک فلسفہ تھا۔ وہ آزاد خیال تھی لیکن شوہر سے وفاداری پر ایمان رکھتی تھی۔ اس کا شوہر فرید احمد دولت مند بہت تھا۔ لیکن شخصیت کے اعتبار سے صفر تھا۔ دولت کمانے کے طریقوں کے سوا اسے کچھ نہیں آتا تھا۔ کہیں بیٹھ کر اعتماد سے کسی بھی موضوع پر گفتگو نہیں کر

سکتا تھا۔ حمیرا کو یہ کمی بہت شدت سے محسوس ہوتی تھی جسمانی اعتبار سے بھی فرید بھدا آدمی تھا۔ روایتی موٹی توند والا سیٹھ!

دوسری طرف عامر جمشید بہت خوبرو اور وجیہہ تھا۔ سوسائٹی کی بیشتر عورتیں اس کی قربت کی متمنی رہتی تھیں۔ حمیرا فرید بھی مستثنیٰ نہیں تھی۔ بس ایک فرق تھا۔ عامر حمیرا پر بری طرح فریفتہ ہوگیا تھا۔ حمیرا سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ وہ ڈالی پر جھکے' ہمکتے ہوئے پھول کو ہاتھ بڑھا کر توڑتا اور تھوڑی دیر بعد اسے پھینک کر آگے بڑھ جاتا لیکن حمیرا نامی وہ پھول ہاتھ بڑھانے پر جھوم کر اس کی پہنچ سے دور ہو جاتا تھا۔

ان کے درمیان گھریلو میل جول تھا۔ محفلوں میں بھی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ بارہا وہ تنہائی میں بھی ملے لیکن حمیرا نے ماہر فن عامر کی پیش قدمی کی ہر کوشش ناکام بنادی "میں جب تک اپنے شوہر کی ہوں' اس کی وفادار رہنا چاہتی ہوں۔"

"تو پھر مجھ سے ملنا چھوڑ دو۔" عامر نے جھنجلا کر کہا "تمہاری آنکھوں میں مجھے اپنے لئے.........."

حمیرا نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی "میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔ بہت زیادہ پسند کرتی ہوں' کبھی تو مجھے لگتا ہے کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں لیکن یہ سب کچھ ویسے نہیں ہوسکتا جیسے تم چاہتے ہو۔"

"تو پھر کیسے ہوسکتا ہے؟" عامر کے لہجے میں امید تھی۔

"مجھ سے شادی کرلو۔"

عامر جمشید سناٹے میں آگیا۔ پھر اس نے سنبھل کر کہا "تم اپنی بیوی کو طلاق نہیں دے سکتے۔"

عامر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ ناممکن ہے۔ ایک ذاتی بینک اکاؤنٹ کے سوا کاروبار سمیت کوئی بھی چیز اس کی نہیں تھی۔ سب کچھ نائلہ کے نام تھا۔ نائلہ کو طلاق دے کر تو وہ خود ایک بہت بڑا صفر بن کر رہ جاتا "اچھا سوچوں گا۔" ذرا سے توقف کے بعد اس نے بجھے بجھے لہجے میں کہا۔

یہ اس کے اور حمیرا کے درمیان ہونے والی آخری گفتگو تھی اور اس گفتگو نے اس کا سکون لوٹ لیا تھا۔ رات کو سونا اس کے لئے ناممکن ہو گیا تھا۔ وہ خواہش سے جلتا جسم لئے بستر پر کروٹیں بدلتا رہتا۔ یہ عذاب اس کی صحت پر بھی اثر انداز ہو رہا تھا۔

وہ ناشتے کی میز پر آیا۔ ناشتے کے دوران وہ اخبار بھی دیکھتا رہا۔ اچانک اسے خواہش کارپوریشن (اَن لیمٹڈ) کا وہ اشتہار نظر آگیا۔

☆-------------O-------------☆

شہر کے ایک اور بنگلے میں صوفیہ ہارون نے بھی ناشتے کی میز پر وہ اشتہار دیکھا اور خوش ہو گئی۔ اسے یقین تو نہیں تھا کہ یہ اشتہار اس کا مسئلہ حل کر سکے گا لیکن مایوسی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں وہ اشتہار امید کی پہلی کرن تھی۔ اس نے سوچا اپنا جاتا کیا ہے معاوضہ تو وہ کام کے بعد ہی لیں گے۔ صوفیہ کی عمر تیس سال تھی اور وہ دنیا میں اکیلی تھی۔ اکیلی اور کروڑوں کی جائداد اور کاروبار کی مالک۔ باپ کے انتقال کے بعد اس نے کاروبار کو نہ صرف بڑی کامیابی سے سنبھالا تھا بلکہ بڑھا بھی دیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ کاروبار اس کا میدان تھا۔ ایم بی اے کے امتحان میں اس نے پہلی پوزیشن لی تھی۔

کہتے ہیں کہ کاروباری لوگوں کے سینے میں دل نہیں ہوتا۔ صوفیہ کا اپنے بارے میں یہی خیال تھا۔ وہ بہت حسین تھی لیکن زمانہ تعلیم ہی میں لڑکوں نے اسے برف کی مورت قرار دے دیا تھا۔ یونیورسٹی میں اور اس کے بعد بھی بے شمار مرد اس پر ملتفت ہوئے لیکن اس نے کسی کو گھاس نہیں ڈالی۔

لیکن دفتر میں پہلے ہی دن اس کا دل اتنے زور سے دھڑکا کہ اسے یقین ہو گیا' دھڑکن کی آواز سبھی لوگوں نے سن لی ہے۔ اسے احساس ہوا کہ برف کی مورت میں حرارت دوڑ گئی ہے اور اب وہ پگھل کر رہ جائے گی لیکن ساتھ ہی وہ لذت بھی عجیب تھی۔ اس سے وہ پہلے کبھی آشنا نہیں ہوئی تھی۔

شاہد حسین اس کے والد کے دفتر میں چیف اکاؤنٹنٹ تھا۔ اس کی عمر 35 کے قریب تھی۔ دیکھنے میں وہ عام سا مرد تھا لیکن اس میں کوئی خاص بات تھی جس نے صوفیہ

کے دل کو چھو لیا تھا۔

پاپا نے صوفیہ کو بتایا تھا کہ شاہد دس سال سے ان کے پاس ہے۔ وہ اس سے بہت متاثر تھے۔ وہ دیانت دار اور مستعد تھا۔ محنتی بھی تھا۔ کام کے معاملے میں وہ دفتر کے اوقات کار تک محدود نہیں تھا۔ بغیر کسی غرض کے وہ دیر تک کام کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کیشیئر کی حیثیت سے کام شروع کرنے کے بعد وہ صرف دس سال میں چیف اکاؤنٹنٹ کے عہدے تک آپہنچا۔

ہارون صاحب نے اسے کمپنی کا قیمتی اثاثہ قرار دیا تھا اور ان کی موت کے بعد صوفیہ نے سمجھ لیا کہ وہ ٹھیک کہتے تھے لیکن وہ اس کو کیا کرتی کہ تھوڑے ہی عرصے میں شاہد اس کے دل کا بھی سب سے قیمتی اثاثہ بن بیٹھا تھا۔

لیکن شاہد نے کبھی صوفیہ میں دلچسپی نہیں لی۔ وہ صوفیہ سے صرف کاروباری گفتگو کرتا تھا۔ صوفیہ خود بھی ہمیشہ سے خود کو لئے دیئے رکھنے کی عادی تھی۔ مگر یہاں معاملہ مختلف تھا۔ شاہد پہلا مرد تھا جس نے اس کے ساتھ التفات نہیں برتا تھا۔ اس کے نزدیک جیسے وہ کوئی عورت ہی نہیں تھی۔

برف کی مورت کو آہنی میت مل گیا۔ صوفیہ نے سوچا۔

طلب عشق حد سے گزرنے لگی تو صوفیہ ہی کو پیش قدمی کرنا پڑی۔ اس روز اسے معلوم تھا کہ کام بہت زیادہ ہے اور شاہد دفتر میں دیر تک رکے گا۔ وہ گھر سے دفتر کے لئے پورا اہتمام کر کے چلی۔ عام طور پر وہ ایسے ملبوسات نہیں پہنتی تھی۔ کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی اس کی لیکن یہاں تو پتھر کو جونک لگانے کی کوشش کرنا تھی۔ پورے دن لوگوں کی نظروں سے اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ سراپا قیامت ہو رہی ہے۔ بے حد احترام کرنے والے لوگ بھی اسے اور نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ پورے دن اس نے یہ اہتمام بھی کیا کہ شاہد کا سامنا نہیں کیا۔ شاہد کسی کام کے سلسلے میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر اس نے اپنی سیکرٹری سے کہلوا دیا کہ وہ شام کو آخر وقت میں آئے۔ وہ بہت مصروف ہے۔

شام کو چھٹی کے وقت اس نے شاہد کو طلب کرلیا۔ اس سے پہلے وہ پوری طرح فریش ہو کر بیٹھی تھی "آیئے شاہد صاحب۔" وہ بے حد تپاک سے مسکرائی "تشریف رکھیے۔"

وہ مؤدب ہو کر بیٹھ گیا۔

"سب سے پہلے تو معذرت کہ میں پہلے آپ کو وقت نہ دے سکی۔" صوفیہ نے لگاوٹ بھرے لہجے میں کہا "دراصل کئی دن سے ایک نئے پروجیکٹ کی پلاننگ میں مصروف تھی۔ آج ارادہ ہے کہ فائنل ہی کرلوں اسے۔"

"کوئی بات نہیں مس ہارون۔ میرا کام ویسے بھی جلدی کا نہیں تھا۔"

"شاہد......... کیا آپ کو میرا نام معلوم نہیں؟" صوفیہ نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

شاہد گڑبڑا گیا "جی......... معلوم ہے مس........."

"بس تو آپ مجھے صوفیہ کہا کیجئے۔ صوفیہ نے کہا پھر اس نے شاہد کو کچھ کہنے کا موقع دینے سے بچنے کے لئے بات آگے بڑھائی "پاپا آپ کی بہت قدر کرتے تھے اور اس حوالے سے آپ میرے لئے بہت محترم ہیں۔ ذاتی اوصاف کی بنیاد پر بھی میں آپ کو بہت بہتر سمجھتی ہوں۔"

"یہ تو آپ کی عنایت ہے لیکن........."

"بس یہ طے ہوگیا کہ آپ اب مجھے مس ہارون نہیں، صوفیہ کہہ کر مخاطب کریں گے۔" صوفیہ نے حتمی لہجے میں کہا "چلیں اب کام کے متعلق باتیں ہو جائیں۔"

"کام وہی انکم ٹیکس کا تھا مس........." شاہد کہتے کہتے رک گیا "......... صوفیہ۔ آپ کو یہ ذاتی اخراجات کے گوشوارے دکھانا تھے۔"

صوفیہ اس کے لائے ہوئے گوشوارے چیک کرتی رہی۔ اس نے کچھ ترامیم بھی کرائیں۔ شاہد رخصت ہونے لگا تو اس نے عقب سے اسے پکارا "شاہد صاحب سنئے۔ ایک معاملے میں آپ میری مدد کرسکتے ہیں۔"

شاہد نے پلٹ کر حیرت سے اسے دیکھا "جی فرمایئے۔"

"آج میں یہاں سے کام نمٹا کر ہی جاؤں گی۔ نو تو بج ہی جائیں گے فارغ ہوتے ہوتے۔ میرے چپڑاسی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ اپنے چپڑاسی کی خدمات مجھے مستعار دے سکتے ہیں؟"

"اتفاق سے مجھے بھی کام کے لئے رکنا ہے۔" شاہد نے مسکراتے ہوئے کہا "اسی لئے تو میں نے دن میں آپ سے ملنے کے لئے اصرار نہیں کیا۔ میں اسے........."

"بس تو ٹھیک ہے۔ آپ جب بھی اسے چائے یا کافی کے لئے کہیں، مجھے بھی یاد رکھیے گا۔ کھانا نو بجے کھائیں گے آپ یہیں آجایئے گا۔"

"جی بہت بہتر۔"

صوفیہ نے نو بجے تک کا وقت ایک ایک پل گن کر گزارا۔ وہ کسی ٹین ایجر کی طرح بے تاب اور بے قرار تھی، جو پہلی بار کسی کی محبت میں گرفتار ہوئی ہو۔ اس دوران چپڑاسی تین بار اسے کافی دے گیا۔

پونے نو بجے وہ واش روم میں گئی اور میک اپ تازہ کر کے اپنی کرسی پر آبیٹھی۔ تمام فائلیں اس نے سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیں۔ نو بجے شاہد اس کے دفتر میں داخل ہوا تو وہ کرسی سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی اور بے حد تھکی ہوئی نظر آرہی تھی۔ یہ تاثر حقیقی تھا۔ نو بجے کے طویل انتظار نے اسے بری طرح تھکا دیا تھا۔

چپڑاسی کھانا لے آیا۔ ان دونوں نے ساتھ کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد چپڑاسی برتن سمیٹنے آیا تو صوفیہ نے اسے کافی کا کہہ دیا "شاہد، آپ یہاں بے تکلفی سے سگریٹ پی سکتے ہیں۔" وہ شاہد سے مخاطب ہوئی۔

شاہد نے شکریہ کہہ کر سگریٹ سلگالیا۔

اب جو کچھ ہونے والا تھا۔ وہ صوفیہ کے لئے خلاف مزاج ہونے کے باعث بہت مشکل تھا لیکن محبت کی شدت نے اسے آسان بنادیا تھا "ایک ذاتی بات پوچھوں آپ سے؟" اس نے کہا اور پھر بلا توقف بولی "آپ کا اتنی دیر تک دفتر میں رکنا آپ کی وائف کو تو برا لگتا ہو گا؟"

"جی نہیں۔" شاہد نے بے ساختہ کہا "اس لئے کہ ابھی میری شادی نہیں ہوئی ہے۔"

صوفیہ یوں آگے کو جھکی کہ جیسے بدلیوں کی اوٹ سے چاند طلوع ہو۔ اس لمحے' اس انداز سے وہ کسی بھی مرد کے دل کی دنیا کو زیروزبر کر سکتی تھی۔ اسے ایک لمحے کو شاہد کے چہرے پر تمتماہٹ محسوس ہوئی پھر شاہد کی نظریں جھک گئیں "ابھی تک شادی نہیں کی آپ نے۔ کیوں؟"

"اس لئے کہ جس لڑکی سے میں شادی کرنا چاہتا ہوں اس پر گھر کی' بہن بھائیوں کی ذمے داریاں ہیں۔ انہیں پورا کئے بغیر وہ مجھ سے شادی نہیں کر سکتی۔" شاہد نے سادگی سے کہا "اور میں محبت کی وجہ سے اس کا انتظار کرنے پر مجبور ہوں۔"

صوفیہ کو لگا کہ اس کے جلتے بدن پر کسی نے یخ بستہ پانی کی بالٹی انڈیل دی ہے۔ وہ بجھ کر رہ گئی۔

وہ تذلیل بہت بڑی تھی لیکن صوفیہ کو شاہد پر غصہ نہیں آیا۔ اس نے خود اپنی تذلیل کی تھی۔ یہ یاد کہ اس رات اس نے شاہد سے کیسی گفتگو کی اور اسے لبھانے کی کیسے گھٹیا انداز میں کوشش کی' اس کے لیے سوہان روح تھی۔ وہ ان لمحوں کو بھول جانا چاہتی تھی۔ بھولنا تو وہ شاہد کو بھی چاہتی تھی مگر دونوں باتیں ہی اس کے اختیار میں نہیں تھیں۔ ہاں' وہ شاہد کو ملازمت سے نکال سکتی تھی لیکن دل نہیں مانتا تھا۔ پھر وہ کاروباری اعتبار سے بھی سراسر خسارے کا سودا تھا اور شاہد تو ویسے بھی بڑا آدمی ثابت ہوا تھا۔ اس کے حسن اور دولت کی ترغیب کے باوجود وہ اپنی محبت پر قائم رہا تھا۔

اس دن کے بعد سے صوفیہ پہلے جیسی نہیں رہی۔ اپنے ہلکے ہو جانے کے احساس پر مستزاد یہ حقیقت تھی کہ اس کا دل شاہد کی محبت سے دستبردار نہیں ہوا تھا لیکن اب وہ اس کو پانے کے لئے کچھ کر بھی نہیں سکتی تھی جو کچھ وہ پہلے کر چکی تھی اسی کا خیال توہین آمیز تھا۔

ایسے میں خواہش کارپوریشن (آن لمیٹڈ) کا وہ اشتہار اسے ایک نعمت غیر مترقبہ ہی

لگا۔

☆-------------○-------------☆

شہر میں صوفیہ ہی کے طبقے کا ایک شخص بالکل اسی طرح کے مسئلے سے دوچار تھا۔

محمود لودھی دولت مند تھا' خوبرو تھا۔ اس کی شخصیت پرکشش تھی۔ وہ ذہین تھا۔ جانتا تھا کہ جسم تک پہنچنے کا راستہ دل سے ہو کر گزرتا ہے اور دل جیتنے کا ہنر اسے خوب آتا تھا۔ صنف نازک کی قربت کا حصول اس کے لئے کبھی مسئلہ نہیں رہا تھا۔ ایک زمانہ تھا کہ وہ سیکریٹری کاروں کی طرح بدلتا تھا مگر پھر عالیہ سیکریٹری بن کر اس کی زندگی میں آئی اور اس کا حصول اس کی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ بن گیا۔

محمود لودھی نے کسی لڑکی کے حصول کے لئے دھونس دھڑلے اور بلیک میلنگ کا سہارا کبھی نہیں لیا تھا۔ نہ ہی اس نے کبھی کسی کے ساتھ زبردستی کی تھی۔ بلکہ بظاہر تو اس نے کبھی کسی کی طرف ہاتھ بھی نہیں بڑھایا تھا۔ کسی کی خواہش بھی نہیں کی تھی۔ لڑکیاں خود ہی پکے ہوئے پھل کی طرح اس کی جھولی میں آگرتی تھیں۔

لیکن عالیہ مختلف لڑکی ثابت ہوئی۔ محمود نے اس پر وہ تمام حربے آزما ڈالے جو ماضی میں مختلف سیکریٹریوں پر آزماتا رہا تھا پھر اس نے کئی نئے حربے آزمائے لیکن عالیہ ٹس سے مس نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ محمود اپنی بے نیازی کا نقاب اتار کر اپنی مردانہ وجاہت اور شخصی کشش کو داؤ پر لگانے پر مجبور ہو گیا مگر بات پھر بھی نہیں بنی۔

محمود کو پہلی بار احساس ہوا کہ وہ جو ہمیشہ کا فاتح تھا۔ اب مفتوح ہو گیا ہے اور مفتوح بھی ایسا کہ فاتح اسے قبول کرنے پر تیار نہیں۔ اب اس نے سنجیدگی سے اپنی ناکامی کے اسباب پر غور کرنا شروع کیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس میں آخر کمی کیا ہے۔ ایک ہی بات سمجھ میں آتی تھی۔ اسے یقین ہو گیا کہ عالیہ ضرور کسی اور سے محبت کرتی ہے۔

اس کے باوجود اس کا دل عالیہ سے دستبردار نہیں ہوا۔ جانے کیسے اسے یقین تھا کہ وہ آخر کار عالیہ کو جیت لے گا۔ وہ بہت اچھے انسان کی طرح اس کے ساتھ نرمی'

محبت اور خوش اخلاقی سے پیش آتا رہا لیکن ایک سال گزر جانے کے باوجود عالیہ کا رویہ نہیں بدلا۔ اب اسے مایوسی ہونے لگی۔ دفتر کے لوگ الگ پریشان تھے۔ پہلی بار محمود کی کوئی سیکریٹری اتنے عرصے چلی تھی ورنہ تین چار ماہ سے زیادہ وہاں کوئی نہیں ٹکا تھا۔

اس روز اپنے دفتر میں اخبار پڑھتے ہوئے اس کی نظر اس اشتہار پر پڑی۔ اس کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آگئی۔ اب وہ خود تو کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ جو کچھ کیا جاسکتا تھا وہ پہلے ہی کر چکا تھا' اس اشتہار کو آزمانے میں کوئی حرج بھی نہیں تھا۔

☆-----------O-----------☆

شاہد چائے کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے ہوئے عالیہ کو دیکھے جا رہا تھا' جو چائے کی پیالی خالی کر چکی تھی اور بلا مقصد اسے ادھر ادھر گھمائے جا رہی تھی۔ شاہد جانتا تھا کہ وہ اس سے نظریں چرا رہی ہے۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا عالیہ۔"

"کیا جواب دوں شاہد۔ تم سے کچھ چھپا نہیں۔ سب کچھ تو جانتے ہو تم؟" عالیہ کے لہجے میں بے بسی تھی۔

"میری سمجھ میں ایک بات نہیں آتی۔ تم جانتی ہو کہ میں اکیلا ہوں میرا آگے پیچھے کوئی نہیں۔ میں تمہارے گھر کا فرد بن سکتا ہوں۔ تمہارے بھائی بہن' تمہاری امی' سب مجھے پسند کرتے ہیں۔ انہیں اس شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ تمہیں کیوں اعتراض ہے؟"

"یہ میری سات سال کی ریاضت ہے شاہد۔ اسے کیوں تباہ کرتے ہو۔"

"تمہاری ریاضت تباہ کہاں ہوگی۔ الٹا میں تمہارا ہاتھ بٹاؤں گا۔"

"میں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک کاشف ڈاکٹر نہیں بنے گا میں شادی نہیں کروں گی۔"

"یہ تو احمقانہ جذباتیت ہے۔" شاہد نے جھنجلا کر کہا "تمہاری شادی سے کاشف کا ڈاکٹر بننا رک نہیں جائے گا۔ وہ تو اب ڈاکٹر بنے گا ہی۔"

"جہاں اتنا انتظار کیا ہے دو سال اور کرلو۔" عالیہ نے بے حد رسان سے کہا "صرف دو سال رہ گئے ہیں کاشف کے۔ شازیہ کی میں نے شادی کردی۔ ناز ابھی چھوٹی ہے۔ ساجد دو سال میں بی کام کرلے گا اور پھر کاشف ڈاکٹر بن کر سب سنبھال لے گا۔ میں پوری طرح آزاد ہو جاؤں گی۔"

"تمہیں شاید احساس نہیں کہ میں 37 سال کا ہو چکا ہوں۔" شاہد کے لہجے میں دکھ تھا "دو سال بعد میں چالیس کی.......... یعنی بڑھاپے کی سرحد پر کھڑا ہوں گا۔"

"ارے 37 کے ہو تم؟ لگتے تو نہیں۔" عالیہ نے شگفتگی سے بات کی سنگینی کو کم کرنے کی کوشش کی "تیس سے زیادہ کے نہیں لگتے۔ اور یہ بڑھاپے کی باتیں کیوں شروع کردیں تم نے؟"

"میں حقیقت سے نظریں کبھی نہیں چراتا اور بڑھاپے کی فکر بھی مجھے تمہاری ہی وجہ سے ہے۔" شاہد نے کہا "تم نہیں جانتیں کہ چالیس سال کی عمر میں باپ بننا کتنا خوف ناک ہوتا ہے۔ زندگی کا کیا بھروسا اور آج کل اوسط عمر ویسے ہی کم رہ گئی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ باقی عمر بھی تم یہی کچھ کرتی رہو' جو پچھلے سات آٹھ سال سے کر رہی ہو۔"

عالیہ کے دل میں ٹیس سی اٹھی۔ چہرے پر کرب کا تاثر ابھر آیا "ایسی باتیں نہ کرو۔ انشاء اللہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔" اس نے کہا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کہیں سے دولت مل جاتی صرف اتنی کہ کاشف اپنی باقی دو سالوں کی پڑھائی سے اور گھر کے اخراجات سے بے نیاز ہو جاتا تو شاہد کی بات مانی جاسکتی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ دولت تو اس کے پاس آنے کے لئے بے قرار ہے لیکن اسے اور شاہد کو ملانے کے لئے نہیں بلکہ جدا کرنے کے لئے۔

شاہد نے اسے پریشان دیکھا تو اس کا دل دکھنے لگا۔ اس نے معاملے کو ہلکا کرنے کے لئے رول کیا ہوا اخبار کھولا اور عالیہ کے سامنے پھیلا دیا "اب میں سوچتا ہوں کہ تم سے شادی کے لئے مجھے اس مشتہر سے مدد لینا ہوگی۔" اس نے خواہش کارپوریشن (لامحدود) کے اشتہار کی طرف اشارہ کیا۔

عالیہ نے اشتہار پڑھا اور بے ساختہ ہنسنے لگی "یہ اشتہار ہم جیسے غریب لوگوں کے لئے نہیں ہے۔" اس نے شگفتگی سے کہا "اور ویسے بھی مجھے حاصل کرنے کے لئے تمہیں کسی جادوگر سے مدد لینے کی ضرورت نہیں۔ تم خود سب سے بڑے جادوگر ہو۔"

شاہد بھی بے ساختہ ہنس دیا۔ ماحول کی اور اندر کی کشیدگی ایک پل میں دور ہو گئی۔

☆-------------○-------------☆

نذیر چوہدری شاید اس وقت روئے زمین کا مایوس ترین آدمی تھا۔ اس کی عمر بھر کی کمائی جو یقین تھا' وہ باطل ہو چکا تھا۔ اسے کبھی اس بات میں کوئی شک نہیں رہا تھا کہ دولت سے ہر چیز خریدی جاسکتی ہے۔ اس لئے ساری زندگی وہ دولت کمانے کی مشین بنا رہا۔ اب بھی صورت حال یہ تھی کہ اپنے علاج پر دولت پانی کی طرح بہانے کے باوجود اس کے پاس دولت کی کمی نہیں ہوئی تھی لیکن اپنی بے حساب دولت کے بدلے وہ صحت اور زندگی نہیں خرید سکتا تھا۔

تین سال پہلے وہ بیمار ہوا۔ کئی ہفتوں کی طبی تفتیش کے بعد ڈاکٹروں نے تشخیص کیا کہ اسے جگر کا سرطان ہے۔ دولت کی کمی نہ تھی چنانچہ وہ علاج کے لئے امریکہ چلا گیا۔ ایک ہفتہ پہلے وہ وطن واپس آیا تھا۔ ڈاکٹروں نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ تین ماہ جی سکتا ہے لیکن ان تین مہینوں کی بھی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ تین ماہ کے اندر وہ کسی بھی وقت مر سکتا ہے۔

زندگی سے محبت ہر انسان کو ہوتی ہے۔ ایسے لوگ کم ہی ہوتے ہیں' جو موت کو ہنسی خوشی ایک آفاقی حقیقت اور اللہ کے حکم کے طور پر قبول کرلیں لیکن نذیر چوہدری نے تو زندگی بھر اپنے اور زندگی کے سوا کسی سے محبت نہیں کی تھی۔ زندگی سے اسے ایسا عشق تھا کہ اگر اس نے اللہ سے ایسا عشق کیا ہوتا تو اسے ولایت ضرور مل جاتی۔ وہ زندگی سے چمٹے رہنا چاہتا تھا۔ جبکہ زندگی اسے موت کی طرف دھکیل رہی تھی۔ ایسے میں آدمی مایوس نہ ہو تو کیا ہو۔

اس وقت وہ تکیے لگائے اپنے بستر پر نیم دراز موت کے بارے میں سوچ جارہا

تھا۔ زندگی سے عشق کے باوجود اب وہ زندگی کے بارے میں سوچ نہیں سکتا تھا۔ یہ بیماری تھی ہی ایسی اذیت ناک۔ جس وقت وہ تکلیف میں مبتلا ہوتا تو اسے زندگی سے نفرت ہونے لگتی۔ اس نفرت کا رد عمل یہ ہوتا کہ وہ موت کے بارے میں سوچنے لگتا جس سے وہ لڑتا اور جس پر فتح یاب ہونا چاہتا تھا۔ جس سے وہ خوف زدہ تھا۔

اس وقت وہ سوچ رہا تھا کہ موت سے پہلے اتنی اذیت ہو رہی ہے تو خود موت کتنی اذیت ناک اور کتنی خوف ناک ہوگی۔ اس خیال سے اس پر لرزہ طاری ہوگیا۔ ڈاکٹر اسے سمجھاتے رہے تھے کہ موت ایک فطری چیز ہے اور انسان کو ہر دکھ' ہر تکلیف سے نجات دلاتی ہے۔ اس نے ایک مولوی صاحب کو دعا کے لئے بلوایا تھا۔ انہوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ موت اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ کوئی بدبخت اس نعمت سے محروم ہو جائے تو اس کی زندگی عذاب ہو جاتی ہے۔ اس پر وہ مولوی صاحب پر برس پڑا تھا "میں نے تمہیں صحت اور زندگی کی دعا کے لئے بلوایا ہے مولانا۔ مجھے تو لگتا ہے تم موت کی دعا کر رہے ہو۔"

"تم ناسمجھ ہو۔ موت کی اہمیت کو نہیں سمجھتے۔ مارشل ٹیٹو کا حشر نہیں دیکھا۔ اس کے بہی خواہ اس کی موت کی دعائیں کر رہے تھے۔ لیکن اللہ نے نظر پھیر لی تھی۔ مگر وہ بڑا رحم والا ہے۔ منکروں کو بھی مایوس نہیں کرتا۔ آخر کار اس نے ٹیٹو پر بھی رحم فرمادیا۔"

"مجھے ایسا رحم نہیں چاہئے۔" وہ حلق کے بل دہاڑا "چلے جاؤ یہاں سے۔"

مولوی صاحب اسے ترحم آمیز نگاہوں سے دیکھتے' منہ ہی منہ میں کچھ بدبداتے چلے گئے تھے۔

آج وہ پہلی بار سوچ رہا تھا کہ کیا مولوی صاحب نے ٹھیک کہا تھا۔ موت واقعی اللہ کی رحمت ہے۔ موت نجات ہے؟ ہر اذیت ہر پریشانی سے چھٹکارے کا نام ہے۔ نرس نے اسے چونکا دیا۔ اس نے سر گھما کر خوب صورت نرس کو دیکھا۔ وہ ہاتھ میں اخبار لئے کھڑی تھی "کیا بات ہے؟" اس نے ناگواری سے پوچھا۔

"سر...... ایک بات پوچھوں آپ سے؟"

"کیا ہے؟" اس کا انداز پھاڑ کھانے والا تھا۔

"آپ کو زندگی سے بہت محبت ہے سر؟"

اس کی آنکھوں میں نرمی اور محبت چمک اٹھی "بہت زیادہ۔ انسان کا المیہ ہی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ بے وفا چیزوں سے محبت کرتا ہے۔"

"آپ کو اور جینے کی خواہش ہے؟"

"یہی تو میری سب سے بڑی خواہش ہے۔"

"تو یہ اشتہار پڑھیں سر۔"

نذیر چوہدری نے نرس کو یوں دیکھا جیسے وہ پاگل ہو گئی ہو۔ بھلا یہ کب ممکن ہے کہ کوئی شخص اشتہار چھپوائے کہ وہ اپنی عمر فروخت کرنا چاہتا ہے۔ یا اپنی عمر میں سے چند برس بیچنے کی خواہش رکھتا ہے۔ یہ عمر کوئی قابل انتقال چیز تو نہیں ہوتی۔

تاہم اس نے اخبار لیا اور اشتہار پڑھا۔ یک بیک اس کی آنکھیں چمکنے لگیں "گڈ گرل۔ تم بڑے انعام کی حق دار ہو۔" اس نے کہا۔ اس کے اندر دم توڑتا ہوا وہ یقین پھر سے جی اٹھا تھا کہ دولت سے ہر چیز خریدی جا سکتی ہے اور دولت کی اس کے پاس کمی نہیں تھی۔

☆------------○------------☆

سیٹھ احسان گھر پہنچا تو وہاں بھی اس کا واسطہ اسی مضحکہ خیزی سے پڑا جو دفتر میں اس کے گلے پڑی تھی۔

اس نے اپنا بریف کیس ٹیبل پر رکھا اور صوفے پر بیٹھ کر پاؤں پھیلائے۔ وہ بہت تھک گیا تھا۔ اس کی بیوی نیلوفر اس کی طرف بڑھی۔ اس کے ہاتھ میں اخبار تھا "آ گئے تم' میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔"

احسان کو حیرت ہوئی۔ نیلوفر کا یہ رویہ غیر معمولی تھا۔ دفتر سے آنے کے بعد جب تک وہ ہاتھ منہ دھو کر' کپڑے بدل کر چائے نہ پی لیتا وہ اس کے سامنے کوئی مسئلہ نہیں رکھتی تھی لیکن آج وہ بلا تمہید مطلع کر رہی تھی کہ وہ اس کی منتظر تھی اور اب یقیناً کوئی

مسئلہ بھی بیان کرنے والی تھی۔

احسان نے اسے بغور دیکھا۔ وہ پریشان تو ہرگز نہیں معلوم ہو رہی تھی بلکہ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں "کیا بات ہے؟ بہت خوش نظر آ رہی ہو؟" اس نے پوچھا۔

"بات ہی ایسی ہے۔ تم بھی سنو گے تو خوش ہو جاؤ گے۔" نیلوفر نے چہکتی آواز میں کہا۔

"تو پھر سناؤ جلدی سے۔"

نیلوفر نے اخبار کھول کر اس کی طرف بڑھا دیا "ذرا یہ اشتہار پڑھو۔"

احسان کا ماتھا ٹھنکا "یہ وہ خواہش کارپوریشن کا اشتہار تو نہیں؟" اس نے پوچھا۔

"گویا تم پہلے ہی پڑھ چکے ہو۔" نیلوفر کے لہجے میں خوشی تھی۔

"مجھے پڑھوایا گیا تھا یہ اشتہار۔"

نیلوفر اتنی خوش اور ایکسائیٹڈ تھی کہ اس کے لہجے کی بدمزگی کو محسوس نہ کر سکی "احسان میرا دل کہتا ہے کہ ہماری آرزو ضرور پوری ہو جائے گی۔"

"کون سی آرزو؟" احسان نے کہا کہتے ہی اسے غلطی کا احساس ہو گیا۔ وہ اس منحوس اشتہار سے' اس حد تک چڑ گیا تھا کہ گھر آتے ہی اس کا تذکرہ سن کر اس کا دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔ ورنہ اس کا سوال مہمل تھا۔ ان دونوں کی ایک ہی آرزو تھی.......... اولاد کی لیکن وہ جانتا تھا کہ اس کی یہ آرزو کبھی پوری نہیں ہو گی۔ نیلوفر البتہ اب بھی کسی معجزے کی امید لئے بیٹھی تھی۔

اس نے اپنے مہمل سوال پر نیلوفر کا ردعمل دیکھنے کے لئے اس کے چہرے پر نگاہ کی۔ وہ اسے ترحم آمیز نگاہوں سے دیکھ رہی تھی "تم بہت جلدی مایوس ہو جاتے ہو ڈیئر۔" وہ بولی۔

احسان کو یاد آیا کہ اسی روز بالکل یہی جملہ اس نے اپنے پارٹنر سے ریورس سچویشن میں کہا تھا "میں بہت حقیقت پسند آدمی ہوں نیلوفر۔"

"لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ اشتہار ہمارا مسئلہ حل کر سکتا ہے۔" نیلوفر نے کہا۔

"بچوں کی سی بات مت کرو نیلوفر۔" احسان کے لہجے میں ترشی آگئی "تم جانتی ہو کہ یہ ناممکن ہے۔ ہماری شادی کو پچیس سال ہو چکے ہیں۔ ہم دونوں کا مکمل میڈیکل چیک اپ ہو چکا ہے۔ خرابی یک طرفہ نہیں' دو طرفہ ہے۔ تم آس نہیں چھوڑتیں۔ خواہ مخواہ اپنی اذیت بڑھاتی ہو۔ یہ اشتہار یقیناً کسی فراڈ کمپنی کا ہے۔ ذرا سوچو کوئی یوں کس کی خواہش پوری کر سکتا ہے' ایسا ہونے لگے تو دنیا کے سب مسائل حل ہو جائیں۔"

"انسان کچھ نہیں کر سکتا اور اللہ کے اختیار سے کچھ باہر نہیں۔" نیلوفر کی آواز بھرا گئی "تم کچھ بھی کہو۔ میں چاہتی ہوں کہ تم اس خواہش کارپوریشن سے بات کرو۔"

"میں کہہ رہا ہوں یہ فراڈ ہے' فون نمبر تو دیکھو۔ ڈبل چار سو بیس۔ یعنی ڈبل فراڈ۔"

"خیر وہ فراڈ بھی ہوئے تو ہمارا کیا بگڑے گا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ معاوضہ وہ خواہش پوری ہونے کے بعد لیں گے۔"

"تم نہیں جانتیں۔" احسان نے سرد آہ بھر کر کہا "یہ بھی صرف پھنسانے کی بات ہے' ایسے لوگ بڑے ترکیب باز ہوتے ہیں۔"

"تم ان سے رابطہ کرو۔ اگر انہوں نے پہلے کچھ مانگا تو انکار کر دینا۔ مجھے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" نیلوفر نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم خود بات کیوں نہیں کرتیں ان سے۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو۔ مجھے شرم نہیں آئے گی ایسا کرتے........"

"اچھا نیلوفر میں بات کرلوں گا۔"

☆-------------○-------------☆

شہباز علی ایک ایسا جوان تھا جس میں بے شمار صلاحیتیں تھیں لیکن وہ انہیں استعمال نہیں کرپاتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ بہت پھیلنے والا آدمی تھا۔ قناعت اسے چھو کر بھی نہیں گزری تھی۔ اس کی خواہشات کی کوئی حد نہیں تھی۔ اسی لئے وہ کہیں ٹک کر کام نہیں کرپاتا تھا۔ ذرا سا کچھ ملنے کا آسرا ہوتا تو وہ پھیلنا شروع کر دیتا۔ اس کا عالم یہ تھا کہ

خالی پیٹ ہوتا تو بھی صرف ایک وقت پیٹ بھرنے کی خواہش نہیں کرتا لاکھوں کی آرزو ہوتی تھی اسے۔

اس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ دنیا میں کامیابی کے لئے دولت بہت ضروری ہے۔ اسے یقین تھا کہ اسے دولت میسر آجائے تو وہ اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر دنیا کا کامیاب ترین انسان بن سکتا ہے۔ دشواری یہ تھی کہ اسے سب کچھ آتا تھا مگر دولت حاصل کرنے کا طریقہ نہیں آتا تھا۔

شہباز نے وہ اشتہار دیکھا تو سمجھ لیا کہ اس کے من کی مراد مل گئی ہے۔

☆-------------○-------------☆

ذہین اختر نے اپنے دفتر کا سیٹ اپ مکمل کرنے کے بعد اشتہار شائع کرایا تھا۔ اشتہار اس نے عام اشتہارات کے کالم میں شائع کرایا تھا۔ یوں تو وہ ملک کے ہر روزنامے میں پہلے صفحے پر بے حد نمایاں اور بڑا اشتہار بھی چھپوا سکتا تھا لیکن یہ مناسب نہیں تھا۔ نمایاں ہونے میں بڑی خرابیاں تھیں۔ وہ بڑی ایجنسیوں اور حکومت کے بڑے لوگوں کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا تھا۔ خواہ مخواہ درد سری بڑھانے سے کیا فائدہ۔ ہاں یہ تھا کہ اس کا وہ عام سا اشتہار ایک ہفتے تک ملک کے تمام روزناموں میں شائع ہوا تھا۔

شہر کی ایک خوب صورت بلڈنگ میں اس نے دو کمرے کرائے پر لئے تھے اور انہیں بہت اچھی طرح آراستہ کیا تھا۔ اس کے بعد وہ اسٹاف کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کے لئے بھی اس نے اخباروں میں اشتہار دیے۔ خوش قسمتی سے اسے بغیر کسی دشواری کے مطلب کے آدمی مل گئے۔

اس کے سیٹ اپ میں تفتیشی ایجنسی کی بڑی اہمیت تھی۔ اس کے لیے اس نے سابق فوجی اور پولیس آفیسرز کی خدمات حاصل کی تھیں۔ سیکریٹری کا انتخاب البتہ بہت دشوار ثابت ہوا۔ کتنی ہی لڑکیوں کو اس نے واپس کر دیا۔ ابتدائی تین دن صرف مسترد ہونے والی لڑکیوں ہی کے لئے نہیں' خود اس کے لئے بھی مایوس کن تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا چاہتا ہے سیکریٹری کے لئے اہلیت کا کوئی مسئلہ نہیں تھا پھر بھی وہ

اتنا بڑا مسئلہ بن گیا تھا۔

چوتھے دن ایک ایسی لڑکی انٹرویو کے لئے آئی جو پہلی نظر میں اسے بھاگئی۔ اس نے انٹرویو میں روبینہ سے اس کے متعلق سب کچھ معلوم کیا اور پھر اسے منتخب کرلیا "مس روبینہ! فی الحال میں آپ کو تین ہزار تنخواہ دوں گا۔ آپ کو صبح نو بجے سے شام سات بجے تک کام کرنا ہوگا۔ آپ کا اصل کام ٹیلی فون اٹینڈ کرنا اور ملاقاتوں کا وقت دینا اور مجھے اس سے باخبر رکھنا ہوگا۔ اس سلسلے میں' میں آپ کو تفصیلی ہدایات کل دوں گا اور ہاں ایک سال بعد آپ کو خصوصی بونس ملے گا۔ آپ کوئی سی بھی دو خواہشیں پوری کر سکیں گی۔"

"جی......... دو خواہشیں۔" روبینہ نے حیرت سے کہا "میں سمجھی نہیں!"

"وہ وقت آئے گا تو جو دو خواہشیں بھی آپ کریں گی وہ پوری ہوں گی۔"

روبینہ کی سمجھ میں بات نہیں آئی۔ بات ہی بعد میں سمجھ میں آنے والی تھی۔

لیکن ذہین اختر دیر تک اس الجھن میں رہا کہ سیکریٹری کا انتخاب اس کے لئے اتنا بڑا مسئلہ کیوں بن گیا اور یہ روبینہ اسے ایک نظر میں کیوں پسند آگئی' کیا وہ کوئی خاص لڑکی تھی؟ اس میں کوئی خاص بات تھی؟ وہ روبینہ کو بغور دیکھتا رہا۔ آخر کار بات اچانک ہی اس کی سمجھ میں آگئی۔ بات سمجھ میں آئی تو اسے زبردست شاک لگا۔ یہ لڑکی روبینہ صورت شکل اور جسم کے اعتبار سے عاقلہ سے مشابہ تھی۔

عاقلہ! عاقلہ!! اس کے ذہن میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ اتنے دن ہوگئے تھے اور اسے ایک بار بھی عاقلہ کا خیال نہیں آیا تھا لیکن وہ اسے بھولا نہیں تھا۔ وہ اس کے دماغ کے کسی تاریک گوشے میں دبک کر بیٹھ گئی تھی لیکن کیوں؟

وہ عاقلہ کے بارے سوچتا رہا۔ وہ صرف مستقبل کی فکر کرنے والا خود غرض انسان۔ کیا اسے عاقلہ سے محبت تھی؟ کیا وہ محبت کی اہلیت رکھتا تھا؟ یا یہ عاقلہ کے احسانات کی وجہ سے تھا؟ عاقلہ نے ہمیشہ اس کا خیال رکھا تھا۔ اس کی مدد کی تھی۔

لیکن نہیں بات صرف احسان کی نہیں تھی لاشعوری یوں کسی کو دوسروں میں تلاش

نہیں کرتا۔ ایسا صرف محبت میں ہوتا ہے۔

محبت! عاقلہ سے محبت! مگر عاقلہ تو اس سے ناتا توڑ کر سہانے مستقبل کے لئے اپنے بڈھے باس کی ہوگئی تھی۔ ذہین اختر کو عاقلہ کی وہ آخری بے رخی یاد تھی لیکن ذہین اختر اسے قصوروار نہیں ٹھہرا سکتا تھا۔ عاقلہ کی جگہ وہ ہوتا تو وہ بھی یہی کرتا۔ ان دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ کوئی مستقبل نہیں تھا اور دونوں ہی کو درخشاں مستقبل کی آرزو تھی۔ سو عاقلہ کا فیصلہ درست تھا۔ کاش یہ فیصلہ صرف چند روز کے لئے مؤخر ہو جاتا۔ موجودہ صورت حال میں عاقلہ کو باس سے شادی کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

تو اب بھی کیا بگڑا ہے؟ اس کے ذہن میں یہ سوال ابھرا۔ عاقلہ شادی کر چکی ہوگی۔ اندر سے کسی نے جواب دیا۔ اس شادی کی' غرض کے اس رشتے کیا اہمیت ہے؟ اس نے سوچا۔ اب تو اس کے اختیار میں سب کچھ ہے وہ صرف خواہش کرے تو.........

ایک لمحے کو ایسا لگا کہ وہ یہ خواہش کر گزرے گا لیکن پھر فوراً اس نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ جیسے اس نے طے کیا تھا کہ وہ کبھی دولت کی خواہش نہیں کرے گا ویسے ہی اس لمحے اس نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ وہ زندگی کی سچی خوشیاں اس طریقے سے حاصل نہیں کرے گا۔ یہ معاملہ وہ قسمت پر چھوڑ دے گا۔ عاقلہ کو اس سے محبت ہوگی تو وہ تمام زنجیریں توڑ کر خود اس کے پاس آئے گی۔ وہ زبردستی خوشیاں حاصل نہیں کرے گا۔

یہ فیصلہ کر کے وہ مطمئن ہوگیا۔

☆------------○------------☆

روبینہ بہت پیاری لڑکی تھی۔ وہ چہرے اور جسم کے خال و خط کے اعتبار سے عاقلہ سے مشابہ ضرور تھی لیکن باطنی اعتبار سے وہ عاقلہ کی ضد تھی۔ اس کی فطرت میں دردمندی تھی۔ حساس اور جذباتی تھی دوسروں کی پروا کرتی تھی۔

اس کی عمر زیادہ نہیں تھی لیکن وقت کے ایک جھٹکے نے اسے اپنی عمر سے بڑا بنا دیا تھا۔ صرف ایک ماہ پہلے اسے تعلیم کے سوا کوئی فکر نہیں تھی۔ اس کا باپ ایک ٹیکسٹائل مل میں کام کرتا تھا۔ ماں ایک عام سی گھریلو عورت تھی۔ وہ ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی۔ اس لئے ماں باپ چین سے تھے۔ انہیں صرف اس کی شادی کی فکر تھی۔ باپ کی تنخواہ زیادہ نہ سہی، لیکن اس کی شادی کے لئے ابتدا سے کچھ رقم پس انداز کی جاتی رہی تھی لیکن ایک ماہ پہلے ایک مشینی حادثے کے نتیجے میں اس کا باپ معذور ہوگیا۔ اس کا داہنا ہاتھ اور دونوں ٹانگیں کٹ گئیں۔ یوں روبینہ کو کالج چھوڑ کر فکر معاش کے لئے نکلنا پڑا۔

یہ ملازمت اسے بہت عجیب لگی۔ اس کے تصورات اور سنے سنائے قصوں سے بالکل مختلف۔ ذہین اختر نے اسے کام کی نوعیت بتائی اور اسے تفصیلی ہدایات دیں تو وہ اس کے سوا کچھ نہ سوچ سکی کہ ذہین اختر بہت بڑا فراڈ ہے۔ ذہین اختر نے اس کے چہرے سے اس کی ہچکچاہٹ بھانپ لی "نہیں مس روبینہ، جو تم سوچ رہی ہو درست نہیں ہے۔" ہم لوگوں کا کام ہو جانے کے بعد ہی معاوضہ قبول کریں گے۔ مجھے اللہ نے ایک خاص تحفہ بخشا ہے۔ فی الحال میں اس سے زیادہ وضاحت نہیں کروں گا۔ اب یہ فیصلہ تم کرلو کہ کام کرنا چاہتی ہو یا نہیں۔"

"میں آپ کے ہاں کام کروں گی سر۔"

"تو خوش بھی رہو گی۔ کام اچھا کرو گی تو تنخواہ بھی بڑھے گی اور ایک سال تک ٹکیں تو وہ بونس، جو دنیا کی کوئی فرم بھی نہیں دے سکتی۔"

"آپ بے فکر رہیں سر۔"

روبینہ کو علم تھا کہ اشتہار کب شائع ہوگا۔ اشتہار کی اشاعت کے ساتھ ہی اس نے کالز کا انتظار شروع کردیا۔ اس کا کام شروع ہونے والا تھا۔

پہلے روز چھ بجے تک کوئی فون نہیں آیا۔ روبینہ مایوس ہونے لگی۔ شاید اشتہار پڑھنے والے بھی اس سے متفق تھے۔ انہیں کارپوریشن کوئی بہت بڑا فراڈ لگی تھی لیکن پونے سات بجے فون کی گھنٹی بجی۔

روبینہ کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ پہلی کال ریسیو کرنے والی تھی۔ تیسری گھنٹی پر اس نے ریسیور اٹھایا "خواہش کارپوریشن" اس نے ذہین کی ہدایت کے مطابق کہا۔

"آپ کا اشتہار نظر سے گزرا۔" دوسری طرف سے کہا گیا "میں آپ کی پیشکش سے استفادہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"آپ اپنا نام بتائیں پلیز۔"

"میرا نام شہباز علی ہے۔"

روبینہ نے ریسیور کندھے سے دبا کر کان سے چپکایا اور قلم اور پیڈ سنبھال لیا "جی شہباز صاحب، آپ اپنی خواہش کے متعلق بتائیں گے؟"

"کیا آپ خواہش پوری کریں گی میری؟" لہجے میں شرارت تھی۔

"جی نہیں۔" روبینہ نے خشک لہجے میں کہا "لیکن آپ کو اصل آدمی سے ملاقات کے لئے کوالیفائی کرنا ہوگا۔ اس کا فیصلہ میں کروں گی۔"

"میں اپنی خواہش اصل آدمی کے سامنے ہی پیش کروں گا۔"

"سوری یہ ممکن نہیں۔"

دوسری طرف شہباز چند لمحے ہچکچایا۔ پھر اس نے کہا "میری خواہش وہی ہے جو

پوری دنیا کی ہے۔ میں دولت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"سوری شہباز صاحب۔ چند خواہشیں ایسی ہیں جو ہم پوری نہیں کریں گے۔ ان میں دولت اور موت شامل ہیں۔"

لائن پر خاموشی چھاگئی۔ شاید فون کرنے والے کو اس جواب کی امید نہیں تھی۔ آخر کار اس نے کہا "یہ وضاحت آپ کو اشتہار میں کرنی چاہیے تھی۔"

"یہ فیصلہ اصل آدمی کا ہے شہباز صاحب۔" روبینہ نے نرم لہجے میں کہا "ہمیں افسوس ہے کہ ہم آپ کی کوئی خدمت نہیں کرسکے۔ خیر پھر کبھی سہی۔ لیکن اگلی بار یہ خیال رکھیے گا۔"

اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے ذہین اختر نے طمانیت بھری سانس لی اور اضافی فون کا ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ چند لمحے بعد روبینہ پیڈ ہاتھ میں لئے کمرے میں آئی تو اس نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا "میں سن چکا ہوں بے بی۔ شاباش۔ تم نے اسے بہت اچھی طرح ہینڈل کیا۔" اس نے گھڑی میں وقت دیکھا "سات بج رہے ہیں۔ اب تم چھٹی کر جاؤ۔ کل دیکھیں گے۔ ہاں مایوس نہ ہونا۔ تمہاری تنخواہ کی ادائیگی کلائنٹس کی آمد سے مشروط نہیں ہے۔ خدا حافظ۔"

☆------------O------------☆

شہباز علی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسے احساس ہوگیا تھا کہ اس نے بہت جلد بازی سے کام لیا ہے۔ اسے پہلے ہی خوب اچھی طرح سوچ لینا چاہئے تھا۔ اگر خواہش پوری کرنے والا اسے ایک کروڑ روپے دلوا سکتا ہے تو اسے اتنا کھڑاگ پھیلانے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ اپنے لئے دس ارب روپے طلب کرسکتا ہے۔

خیر۔ اب بھی کچھ نہیں بگڑا تھا۔ اسے صرف ایسی ایک خواہش تلاش کرنی تھی جو دولت سے متعلق نہ ہو لیکن اس کے پورے ہونے کے بعد وہ مالا مال ہو جائے۔ وہ ہار ماننے والا آدمی نہیں تھا۔

☆------------O------------☆

اگلے روز فون کالز کا تانتا بندھ گیا۔ روبینہ کے پاس فرصت نام کی کوئی چیز نہیں رہی۔ زیادہ تر کالز دولت کے متعلق ہی تھیں لیکن اچھی خاصی کالز کام کی بھی تھیں۔ اس نے ان کے کوائف پیڈ پر نوٹ کئے اور چپڑاسی دین محمد کے ہاتھوں ذہین اختر کے پاس بھجوا دیے۔

ذہین اختر نے ان کا جائزہ لیا۔ ان میں دو کیس ایسے تھے جو فوری طور پر ہینڈل کئے جانے تھے۔ باقی کوائف اس نے اپنی تفتیشی ایجنسی میں کرنل اظہر کو بھجوادیے۔ وہ خوش تھا کہ کام اس کی توقع سے پہلے ہی شروع ہوگیا ہے۔ اس نے دین محمد کو بلایا اور روبینہ کو نوٹ بھجوا دیا کہ وہ فون پر نذیر چوہدری سے اس کی بات کرائے اور سیٹھ احسان علی کو فون پر بتائے کہ انہیں اگلے روز دس بجے اس سے ملنا ہے۔

پانچ منٹ بعد وہ فون پر نذیر چوہدری سے بات کر رہا تھا "تو آپ مرنا نہیں چاہتے؟" اس نے پوچھا۔

"کوئی ایسا ہے دنیا میں' جو مرنا چاہتا ہو۔" نذیر چوہدری نے چڑچڑے پن سے کہا۔

"دیکھیے' آپ میرے کلائنٹ ضرور ہیں لیکن میری کپڑے کی دکان نہیں۔ نہ ہی میں کچھ بیچ رہا ہوں۔" ذہین اختر نے خشک لہجے میں کہا "آپ کو مدد کی ضرورت ہے اور میں آپ کی مدد کرسکتا ہوں لیکن آپ مجھ سے اس طرح بات نہیں کرسکتے۔"

"سوری بیٹے" نذیر چوہدری کا لہجہ نرم ہوگیا "تمہاری ناراضی بجا لیکن ایک مرتا ہوا آدمی چڑچڑے پن کے سوا کیا کرسکتا ہے۔ ہاں میں مرنا نہیں چاہتا۔"

"آپ انشاء اللہ زندہ رہیں گے۔" ذہین اختر نے کہا "اب معاوضے کی بات ہو جائے۔"

"معاوضہ میں منہ مانگا دوں گا لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ............"

"ڈاکٹروں نے آپ کو زیادہ سے زیادہ تین ماہ دیے ہیں ان میں سے تین ہفتے گزر چکے ہیں گویا آپ ڈھائی ماہ اور جی لئے تو اس کا مطلب ہوگا کہ آپ کی خواہش پوری ہوگئی۔"

"لیکن اس کے بعد........"

ذہین اختر نے پھر اس کی بات کاٹ دی "اس کا منصفانہ حل ہے میرے پاس۔ ڈھائی ماہ بعد آپ مجھے ایک لاکھ روپے ادا کریں گے اس کے بعد آپ جب تک زندہ رہیں گے ہر ماہ مجھے ایک لاکھ روپے ادا کیا کریں گے۔ کہئے ٹھیک ہے؟"

"بالکل ٹھیک ہے۔" نذیر چوہدری نے پُرجوش لہجے میں کہا "میں اپنے وکیل کو بھیج دیتا ہوں۔ تم اس سے مل کر معاہدہ کرلو۔"

"معاہدے کی ضرورت نہیں چوہدری صاحب۔ مجھے آپ پر اعتبار ہے۔ وش یو گڈلک۔ خدا حافظ۔"

☆--------------O--------------☆

اگلے روز صبح دس بجے سیٹھ احسان علی ذہین اختر کے سامنے بیٹھا تھا "آپ کو اولاد کی خواہش ہے؟ انشاء اللہ پوری ہو جائے گی۔"

"میں آپ کو یہ بتادوں کہ میں اور میری بیوی دونوں ہی اولاد پیدا کرنے کی اہلیت سے محروم ہیں۔ ہم مکمل چیک اپ کرا چکے ہیں۔" سیٹھ احسان نے کہا۔

"آپ اس کی پروا نہ کریں۔ انشاء اللہ آپ صاحب اولاد ہو جائیں گے۔" ذہین اختر نے پورے اعتماد سے کہا۔

"اور آپ کا معاوضہ کیا ہوگا؟"

"دس لاکھ روپے۔"

"دس لاکھ! یہ تو بہت زیادہ ہے۔"

"آپ نے خود ہی بتایا ہے کہ یہ ناممکن کام ہے پھر میں آپ کی حیثیت سے بڑھ کر تو نہیں مانگ رہا ہوں۔"

"یہ رقم میری حیثیت سے زیادہ ہے۔" سیٹھ احسان نے کہا۔

"آدمی کی خواہش کی کوئی قیمت نہیں ہوتی احسان صاحب۔ خواہ مخواہ کی بارگیننگ نہ کریں۔" ذہین اختر نے ناصحانہ لہجے میں کہا "نیت اچھی نہ ہو تو کام خراب

ہو جاتے ہیں۔ آپ کی حیثیت میں جانتا ہوں۔ آپ پیراگون ایسوسی ایٹس کے پارٹنر ہیں۔ آپ کے لئے تو کروڑ دو کروڑ بھی کوئی حیثیت نہیں ہے، میں تو صرف دس لاکھ مانگ رہا ہوں۔"

سیٹھ احسان کے کندھے جھک گئے۔ وہ دل میں یہ تسلیم کئے بغیر نہ رہ سکا کہ ذہین اختر ٹھیک کہہ رہا ہے۔ یہ اس خواہش کی بات ہو رہی تھی جو اس کی اور اس کی محبوب بیوی کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی اور اس خواہش کے پورا ہونے کا کوئی امکان بھی نہیں تھا "میں ایک بات پوری صاف گوئی سے کہنا چاہتا ہوں۔" اس نے ذہین اختر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "میں آپ کو فراڈ سمجھتا ہوں جو کچھ آپ دعویٰ کر رہے ہیں وہ ناممکن ہے۔"

"آپ کا قصور نہیں۔ شروع میں سب یہی سمجھیں گے۔" ذہین اختر نے بے حد ٹھنڈے لہجے میں کہا "کام ہو جانے کے بعد آپ کا رویہ مختلف ہوگا۔ ویسے فراڈ کی کوئی گنجائش نہیں۔ آپ مجھے پہلے کوئی رقم تو دینے سے رہے۔ میں لوں گا بھی نہیں۔"

"تو ادائیگی کب ہوگی؟"

"جیسے ہی حمل کی علامات ظاہر ہوں گی۔ آپ کسی گائناکولوجسٹ سے رجوع کریں گے۔ الٹرا ساؤنڈ ٹیسٹ ہوں گے۔ مثبت رزلٹ سامنے آتے ہی آپ ادائیگی کردیں گے۔"

"یہ تو مناسب نہیں۔" سیٹھ احسان نے کہا "خدانخواستہ اسقاط بھی تو ہو سکتا ہے۔ جبکہ آپ نے مجھے صاحب اولاد بنانے کا وعدہ کیا ہے۔"

"آپ کیسے آدمی ہیں۔ حمل قرار نہیں پایا اور آپ اسقاط کی باتیں کرنے لگے۔" ذہین اختر نے ملامت بھرے لہجے میں کہا "میں آپ سے وعدہ کر رہا ہوں کہ آپ کے ہاں اولاد ہوگی اور زندہ ہوگی۔"

"ٹھیک ہے۔ ایسا کریں کہ آدھا معاوضہ مثبت ٹیسٹ کے بعد اور باقی آدھا بچے کی ولادت کے بعد۔"

"آپ کاروباری آدمی ہیں لیکن مجھ سے آپ خرید و فروخت نہیں کر رہے ہیں۔ اپنی ایک خواہش پوری کرا رہے ہیں۔" ذہین اختر نے سخت لہجے میں کہا "اگر آپ کو میری شرط منظور نہیں تو تشریف لے جائیے لیکن میری شرط یہی ہے۔"

احسان علی سر جھکائے چند لمحے سوچتا رہا پھر اس نے سر اٹھایا اور بولا "ٹھیک ہے مجھے منظور ہے۔ آپ کسی معاہدے پر دستخط کرائیں گے؟"

"جی نہیں مجھے آپ پر اعتبار ہے۔ بدعہدی کریں گے تو آپ ہی کو ناقابل تلافی نقصان ہوگا۔"

☆------------○------------☆

سیٹھ احسان ذہین اختر سے ملنے کے بعد اپنے آفس پہنچا تو وہاں سیٹھ داؤد سر پکڑے بیٹھا تھا "کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟" احسان نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

"ارے بھائی وہی عبدالرزاق۔" داؤد نے آہ بھر کے کہا "کسی طرح مانتا ہی نہیں۔ کسی رقم پر بھی نہیں مانتا۔"

"تم ایسا کرو کہ خواہش کارپوریشن سے رجوع کرلو۔"

سیٹھ داؤد کا منہ حیرت سے کھل گیا "تم تو اس دن اسے فراڈ کہہ رہے تھے۔"

"فراڈ تو ممکن ہے وہ اب بھی نکلے۔" احسان نے کہا "لیکن نقصان کوئی نہیں۔ معاوضہ وہ کام ہو جانے کے بعد ہی لے گا۔ اپنا کیا جاتا ہے۔" اس میں احسان کا اپنا بھی ایک فائدہ تھا۔ وہ جس کام کے لئے ذہین اختر کے پاس گیا تھا وہ دیر طلب تھا۔ جبکہ یہ کاروباری کام فوری طور پر ہو جانے والا تھا۔ فوراً ہی پتا چل جاتا کہ کارپوریشن فراڈ ہے یا نہیں۔

"لیکن وہ اشتہار والا اخبار تو اب نہ جانے کہاں ہوگا۔" سیٹھ داؤد نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"نمبر میں بتاتا ہوں۔ رنگ کر کے ملاقات کا وقت لے لو۔" احسان نے کہا اور داؤد نے ریسیور اٹھایا "نمبر ملاؤ' ڈبل چار سو بیس۔"

"کیا؟"

"ہاں' ڈبل چار سو بیس۔ چار سو بیس' چار سو بیس۔ فور ٹو زیرو۔ فور ٹو زیرو۔"

"یہ تو نمبر ہی ڈبل فراڈ لگتا ہے۔"

"یہ تم نے اشتہار پڑھتے وقت نہیں دیکھا تھا۔" احسان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

لیکن داؤد نے اس کی بات نہیں سنی۔ اس کی انگلیاں نمبر ملانے میں مصروف تھیں۔

☆------------○------------☆

اس روز احسان علی شام کو جلدی گھر چلا گیا۔ اس نے نیلوفر کو ذہین اختر سے ملاقات کی تفصیل بتائی۔

"مجھے تو پہلے ہی لگتا تھا کہ وہ فراڈ نہیں۔ انشاء اللہ ہمارا کام ہو جائے گا۔" نیلوفر نے خوش ہو کر کہا۔

"دیکھو مجھے تو اب بھی یقین نہیں۔" احسان نے کہا لیکن وہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ اندر سے خوش ہے "مجھے تو وہ فراڈ ہی لگتا ہے۔"

"جب وہ پہلے کچھ لے ہی نہیں رہا تو فراڈ کا کیا سوال ہے۔ تم آدمی ہی شکی ہو۔"

"اچھا' تیار ہو جاؤ جلدی سے۔ رات کا کھانا کسی اچھے سے ہوٹل میں کھائیں گے۔ مجھے تو لگ رہا ہے کہ ہماری شادی آج ہی ہوئی ہے۔" احسان نے موضوع بدلا۔

رات دس بجے وہ واپس آئے تو دونوں بہت خوش تھے اور ایک دوسرے کے لئے بے تاب۔ دونوں کو ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے ان کی شادی نئی نئی ہوئی ہے۔ پچیس سال بعد وہ پھر سے جوان ہو گئے تھے۔ ورنہ برسوں سے ان کے درمیان محبت تو تھی لیکن جسمانی گرم جوشی مفقود ہو چکی تھی۔

☆------------○------------☆

ذہین اختر نے داؤد کو اگلے روز ملاقات کا وقت دیا تھا۔ داؤد اس سے ملاقات کے لئے پہنچا "کوئی زمین ہے جو آپ خالی کرانا چاہتے ہیں؟" ذہین اختر نے پوچھا۔

"ہاں" سیٹھ داؤد نے جواب دیا۔

"آپ نے اسے خریدنے کی کوشش تو کی ہوگی؟"

"ظاہر ہے۔ اس کی وجہ سے میرا پروجیکٹ رکا ہوا ہے۔"

"زمین کے مالک کو کہاں تک آفر کی آپ نے؟"

سیٹھ داؤد ہچکچایا۔ کاروباری آدمی تھا۔ کسی کو پوری بات بتانے کا وہ قائل ہی نہیں تھا۔

"آپ کو مجھ سے کام کرانا ہے تو جھوٹ نہ بولیں اور مجھے مکمل معلومات فراہم کریں۔ ورنہ آپ کا کام نہیں ہوگا۔" ذہین اختر کے لہجے میں قطعیت تھی۔

سیٹھ داؤد کو پسینہ آگیا۔ اب یہی ایک راستہ رہ گیا تھا اور وہ بھی بند ہو رہا تھا "میں اسے ساٹھ لاکھ کی آفر کر چکا ہوں۔" اس نے مرے مرے لہجے میں کہا۔

"اگر میں پچیس فیصد بچت کے ساتھ آپ کا یہ کام کرادوں تو؟" ذہین اختر اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

سیٹھ داؤد نے جیب سے رومال نکال کر پیشانی سے پسینہ پونچھا اور سانسیں درست کرنے کی کوشش کی۔ وہ ہانپنے لگا تھا "تو یہ مجھ پر احسان ہوگا آپ کا۔"

"میرے اور آپ کے بیچ احسان کا کوئی رشتہ نہیں۔" ذہین اختر نے سرد لہجے میں کہا "60 لاکھ کا 75 فیصد 45 لاکھ ہوتا ہے۔ آپ کو وہ زمین 45 لاکھ میں پڑے گی۔ آپ کا کام انشاء اللہ آج ہی ہو جائے گا۔ بیچنے والا خود آپ کے پاس آئے گا۔ آپ اس سے منہ مانگی رقم پر سودا کریں گے۔ اگر وہ پندرہ لاکھ روپے مانگے گا تو باقی تیس لاکھ آپ مجھے دیں گے۔ بولیں منظور ہے؟"

"مم............ مم............ مجھے منظور ہے۔" سیٹھ داؤد نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"سوچ لیں اچھی طرح۔ ابھی وقت ہے۔"

سیٹھ داؤد سوچنے کی پوزیشن میں ہی نہیں تھا۔ وہ تو بس اتنا جانتا تھا کہ 15 لاکھ کی بچت کے ساتھ ایک ناممکن کام ہو رہا ہے۔ "اس میں سوچنے کی کوئی بات ہی نہیں۔" وہ

بولا۔

"اب آپ مجھے اس شخص کا نام ولدیت اور پتا لکھوادیں جس کی وہ زمین ہے۔"

سیٹھ داؤد نے عبدالرزاق کا نام پتا لکھوا دیا۔

"اب آپ جائیں۔ یہ میرا بینک اکاؤنٹ نمبر ہے۔" ذہین اختر نے ایک پرچی پر نمبر لکھ کر اس کی طرف بڑھایا "کل اس میں تیس لاکھ روپے جمع کرادیجئے گا اور ہاں مجھے فون کرکے ضرور بتا دیجئے۔"

"آپ مجھ سے کسی کاغذ پر دستخط نہیں کرائیے گا؟" سیٹھ داؤد نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"اس کی ضرورت نہیں۔ مجھے آپ پر اعتبار ہے۔" ذہین اختر نے بے پروائی سے کہا "مجھ سے دھوکا کرنے والے اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔"

☆-------------O-------------☆

سیٹھ داؤد ہانپتا کانپتا اپنے دفتر پہنچا تو حیرت زدہ رہ گیا۔ وہاں عبدالرزاق ایک کرسی پر بیٹھا مضطربانہ انداز میں پہلو بدل رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا "کہاں چلے گئے تھے سیٹھ۔ میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔" اس نے کہا۔

"کیا بات ہے؟" سیٹھ داؤد نے معصومیت سے پوچھا۔

"میں نے تینوں دکانیں بیچنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ تم نہیں لوگے تو کسی اور کو بیچ دوں گا۔"

"میں کیوں نہیں لوں گا۔" سیٹھ داؤد نے بے حد محبت سے کہا "وہ تم راضی ہی نہیں ہو رہے تھے۔"

"لیکن میں قیمت منہ مانگی لوں گا۔"

سیٹھ داؤد کا دم نکل گیا۔ ذہین اختر نے تو یہ تاثر دیا تھا جیسے زمین صرف پندرہ لاکھ میں مل جائے گی جبکہ عبدالرزاق کا لہجہ کچھ اور ہی بتا رہا تھا پھر اسے خیال آیا کہ ایک ان ہونی تو ہوگئی ہے اور وہ بھی اسی انداز میں' جیسے ذہین اختر نے بیان کی تھی۔ یعنی

عبدالرزاق خود چل کر اس کے پاس آیا تھا اور اپنی زمین پیش کر رہا تھا۔ اسے یہ بھی یاد آیا کہ ذہین اختر نے بھی منہ مانگی قیمت کا لفظ استعمال کیا تھا۔ سو اس نے دل کڑا کے کہا "ٹھیک ہے۔ میں منہ مانگی قیمت دوں گا۔"

"بس تو پندرہ لاکھ مجھے دو۔ زمین تمہاری ہوئی۔"

سیٹھ داؤد کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا پھر لمحوں میں اس نے فیصلہ کر لیا کہ یہ کام آج ہی نمٹانا ہے اور یہ کوئی مشکل بات نہیں تھی۔

☆------------○------------☆

عبدالرزاق دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا ہوا تھا۔ انسپکٹر ظہیر اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا "تم مجھے بتاتے کیوں نہیں کہ تم پر کون سی افتاد آ پڑی تھی کیوں تم نے یہ سودا کیا مجھ سے پوچھے بغیر؟ اور خود ہی اس کے پاس چلے گئے!" وہ غرایا۔

"میں تمہیں کیسے سمجھاؤں؟" عبدالرزاق نے بے بسی سے کہا۔

"تم اگر بتاؤ کہ اس نے کسی غنڈے کو بھیجا تھا اور تمہیں کوئی خطرناک دھمکی دی تھی تو میں مان لوں گا۔ اگر تم کہو کہ تمہارا دماغ کسی نامعلوم وجہ سے ماؤف ہو گیا تھا اور تم اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھے تو میں تسلیم کر لوں گا لیکن جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ میرے حلق سے نہیں اترے گا۔"

"میں کیا کروں۔ تمہیں سچ بتا رہا ہوں۔ میں پوری طرح ہوش و حواس میں تھا۔ میرا دماغ بالکل ٹھیک کام کر رہا تھا۔ وہ بتا رہا تھا کہ میں غلط کر رہا ہوں' نقصان کا سودا کر رہا ہوں لیکن دماغ کا ایک حصہ مجبور کر رہا تھا کہ میں یہی کروں۔ میں تمہیں صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ میرے اندر ایک بہت توانا خواہش ابھری تھی کہ میں خود جا کر اس زمین کا سودا کر لوں۔ میں اس خواہش کو نہیں دبا سکا۔ وہ میرے بس میں نہیں تھی۔"

"گدھے ہو تم۔ میں تمہیں اس زمین کے کم از کم ایک کروڑ دلاتا۔ 25 لاکھ میرے ہوتے۔ خیر یہ بتاؤ اب بھی کچھ ہو سکتا ہے؟"

"کچھ نہیں۔ سیٹھ داؤد نے ہر کام پکا کیا ہے۔"

"پھر بھی میں چیک کروں گا۔ مجھے اس معاملے میں گڑبڑ محسوس ہو رہی ہے۔"

"اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ کیا کرو گے تم؟" عبدلرزاق کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"دیکھتے رہو۔ آج میں سیٹھ داؤد کے اسسٹنٹ کو گھیروں گا۔ اگر وہ کچھ جانتا ہے تو اسے اگلنا ہی پڑے گا۔"

☆------------○------------☆

تمام مطلوبہ معلومات ذہین اختر کی میز پر پہنچ گئی تھیں۔ ان کا مطالعہ کرتے ہوئے ذہین اختر اپنی تفتیشی ایجنسی کی مستعدی کو سراہے بغیر نہ رہ سکا۔ ان لوگوں نے بہت تیزی دکھائی تھی۔ معلومات ہر لحاظ سے مکمل تھیں۔ اس نے تمام لوگوں کو انٹرویو کے لئے طلب کر لیا۔

سب سے پہلے صوفیہ ہارون آئی۔ ذہین اختر جانتا تھا کہ یہ دہرا کیس ہے۔ صوفیہ جس شخص کی محبت حاصل کرنا چاہتی تھی وہ ایک اور لڑکی عالیہ سے محبت کرتا تھا اور عالیہ کے سلسلے میں ایک اور امیدوار نے اس سے رجوع کیا تھا۔ اس امیدوار کا نام تھا محمود لودھی۔

ذہین نے اس کیس پر بہت غور کیا تھا جو معلومات اس کے سامنے موجود تھیں ان کی روشنی میں پتا چلتا تھا کہ عالیہ اور شاہد عاقلہ اور ذہین اختر ہی کا ایک روپ ہیں۔ محبت موجود تھی لیکن ذہین اور عاقلہ کے برعکس وہ دونوں دولت کے پجاری نہیں تھے۔ انہوں نے اپنی محبت کو مشروط نہیں کیا تھا۔ ذہین نے پہلے تو یہ فیصلہ کیا کہ وہ ان دونوں کے درمیان جدائی نہیں کرائے گا۔ وہ اور عاقلہ نہیں مل سکے لیکن عالیہ اور شاہد تو مل سکتے ہیں۔

مگر پھر اچانک اس کے دل میں ان دونوں کے لئے نفرت مچل اٹھی۔ جب وہ اور عاقلہ نہیں مل سکے تو کوئی اور کیوں ملے۔ اسے یہ احساس بھی ہوا کہ اس طرح وہ اپنے اور عاقلہ کے گھٹیا پن کی سزا دو معصوم دلوں کو دے رہا ہے۔ اس نے تو صرف یہ سوچا کہ اسے بیس لاکھ کا فائدہ ہو رہا ہے وہ کیوں اپنا نقصان کرے۔ پھر بھی اس نے ان دونوں کو

ایک مارجن ضرور دیا۔

"پہل آپ ہی کو کرنا ہوگی۔" اس نے صوفیہ سے کہا "اب انشاء اللہ وہ انکار نہیں کرے گا۔"

صوفیہ کو نہ اس پر کوئی اعتراض تھا نہ دس لاکھ کے معاوضے پر۔

دوسری پارٹی عامر جمشید تھا۔ اس کے ساتھ وہ بے حد سختی سے پیش آیا "اصولاً مجھے آپ سے نہیں ملنا چاہیے تھا۔" اس نے عامر کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہی کہا "لیکن جانے کیوں مجھے خیال آگیا کہ مجھے مل ہی لینا چاہیے۔"

عامر نروس نظر آنے لگا "شکریہ جناب۔ میرا بہت برا حال ہے لگتا ہے' پاگل ہو جاؤں گا۔"

"میرا مشورہ ہے کہ آپ یہ خیال دل سے نکال دیں۔"

"یہ ممکن ہوتا تو میں کر چکا ہوتا۔" عامر نے بے بسی سے کہا "آپ کیا سمجھتے ہیں' میں نے کوشش نہیں کی ہوگی۔"

"بہرحال میں اس سلسلے میں آپ کی مدد نہیں کر سکتا۔"

"خدا کے لئے جناب........" عامر گڑگڑانے لگا۔

"بھائی سوچو تو کہ کیا چاہتے ہو۔"

"میں بس حمیرا کو حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"وہ کسی کی بیوی ہے۔ میں پیسے کے عوض تمہارے گناہ خریدنے سے رہا۔ تمہارے گناہ میں بے لذت شامل ہونے سے رہا۔"

"میں مر جاؤں گا۔ پاگل ہو جاؤں گا۔"

ذہین اختر اسے ترحم آمیز نظروں سے دیکھتا رہا "تم نے اس سے شادی کے بارے میں تو کبھی نہیں سوچا۔"

"کیسے سوچ سکتا ہوں۔ یہ بات تو خود حمیرا بھی مجھ سے کہہ چکی ہے۔"

"کیوں نہیں سوچ سکتے؟"

"میں اپنا سب کچھ اپنی بیوی نائلہ کے نام کر چکا ہوں۔"

"کنگال ہو جانے کی فکر ہے تو اس کا مطلب ہے کہ تمہاری آرزو محض سطحی ہے۔" ذہین اختر نے اس کی بات کاٹ دی۔

"نہیں۔ یہ بات نہیں میں نائلہ کو طلاق دوں گا تو مہر اور نان نفقہ کہاں سے ادا کروں گا۔"

"تمہارے بنک اکاؤنٹ میں اس وقت کتنی رقم ہوگی؟"

"چھ سات لاکھ ہوں گے۔"

"پانچ لاکھ کا چیک میرے نام لکھ دو۔ تمہاری بیوی خود تم سے طلاق طلب کرلے گی اور مہر اور نان نفقہ بھی طلب نہیں کرے گی۔"

عامر سوچ میں پڑ گیا "لیکن اشتہار میں لکھا تھا کہ معاوضہ خواہش پوری ہونے........"

ذہین اختر نے اس کی بات کاٹ دی "تم اسپیشل کیس ہو۔ اس لئے معاوضہ ایڈوانس دینا ہوگا۔"

عامر نے چیک بک نکالی اور پانچ لاکھ کا چیک ذہین اختر کی طرف بڑھا دیا۔

"تین دن میں تمہاری بیوی تم سے طلاق طلب نہ کرے تو میں تمہیں دگنی رقم واپس کروں گا۔ اب جاؤ۔" ذہین اختر نے کہا۔

وہ چلا گیا تو ذہین اختر نے سکون کی سانس لی۔ کسی کی بیوی کو ورغلانا بہت بڑا گناہ ہے۔ وہ اس سے بچ گیا تھا۔

اس کا تیسرا کیس محمود لودھی تھا۔ ذہین اختر نے اس سے وہی کچھ کہا جو صوفیہ ہارون سے کہا تھا۔ محمود کا ردعمل بھی ویسا ہی تھا۔ اسے نہ پہل کرنے پر اعتراض تھا نہ دس لاکھ روپے کے معاوضے پر۔

کاروباری لحاظ سے وہ ذہین اختر کے لئے ایک اچھا دن تھا۔

☆------------○------------☆

روبینہ نے سر اٹھا کر دیکھا تو حیران رہ گئی۔ ایک باوردی پولیس افسر اس کے سامنے کھڑا تھا "جی فرمایئے؟" اس نے پوچھا۔

"میں کچھ فرمانے نہیں تمہارے پاس سے ملنے آیا ہوں۔"

"مجھے یاد نہیں آتا کہ آپ نے ملاقات کا وقت لیا ہو۔"

انسپکٹر ظہیر کی تیوریاں چڑھ گئیں "یہ تو میری خوش اخلاقی ہے۔ ورنہ میں تم سے پوچھے بغیر بھی کمرے میں گھس سکتا ہوں۔" اس نے کڑے لہجے میں کہا۔

روبینہ اٹھی اور ذہین اختر کے کمرے میں چلی گئی۔ ذہین اختر کسی پولیس آفیسر کی آمد کا سن کر متجسس تو ہوا لیکن اس نے بے پروائی سے کہا "اسے اندر بھیج دو۔"

ایک منٹ بعد انسپکٹر ظہیر ذہین اختر کے سامنے بیٹھے تھا۔ اس کے انداز میں رعونت تھی "میں اس علاقے کا ایس ایچ او ہوں۔" اس نے کہا

"میں ایسے لوگوں سے نہیں ملتا' جنھوں نے پہلے سے وقت نہ لیا ہو۔" ذہین اختر نے کہا "میں متجسس تھا کہ تمہیں کون سی خواہش یہاں کھینچ لائی ہے۔ اسی لئے تمہیں بلوالیا ہے۔ اب جلدی سے اپنا مقصد بیان کرو۔" اس نے دانستہ انسپکٹر کو تم کہہ کر مخاطب کیا تھا۔

ذہین اختر کا رویہ انسپکٹر ظہیر کے لئے خلاف توقع تھا "اس علاقے میں ہونے والے ہر غیر قانونی کاروبار پر نظر رکھنا میرا فرض ہے۔" اس نے کہا۔

"میں اندازہ لگا سکتا ہوں کہ تم کتنے فرض شناس ہو۔ کام کی بات کرو۔"

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ سیٹھ داؤد سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"سیٹھ داؤد میرا کلائنٹ ہے۔"

"اور تمہارا کاروبار کیا ہے؟"

"خدمت.......... خدمت خلق۔ میں معقول معاوضہ لے کر لوگوں کی خواہشات پوری کرتا ہوں۔"

"کیسے؟ طریق کار کیا ہے تمہارا؟"

"یہ میں نہیں بتا سکتا۔ میرا ٹریڈ سیکرٹ ہے اور تمہیں یہ پوچھنے کا کوئی حق بھی نہیں۔"

"حق کے بارے میں تو میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے کچھ بنیادی باتیں معلوم کرلوں۔ یہ بتاؤ کہ سیٹھ داؤد تمہارے پاس اپنی کون سی خواہش کے سلسلے میں آیا تھا؟"

"تمہیں یہ پوچھنے کا حق بھی نہیں۔"

"چلو میں معاملہ آسان کر دیتا ہوں۔" انسپکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا "کیا سیٹھ داؤد کی عبدالرزاق کی زمین حاصل کرنے کی خواہش تم نے پوری کی ہے؟"

"میں اس کا جواب نہیں دے سکتا۔"

"تم نے عبدالرزاق کو زمین فروخت کرنے پر کیسے قائل کیا؟"

"یہ بات تم عبدالرزاق سے کیوں نہیں پوچھتے؟"

"پوچھا تھا۔ وہ تسلی بخش جواب نہیں دے سکا۔"

"تو پھر مجھ سے کیا امید رکھتے ہو؟" ذہین اختر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"مسٹر اختر' تم یہاں سیدھی طرح بات نہیں کرو گے تو میں تمہیں گھسیٹتا ہوا تھانے لے جاؤں گا۔" انسپکٹر نے بے حد سخت لہجے میں کہا۔

ذہین اختر کی رنگت متغیر ہوگئی۔ اپنے نام میں سے ذہین کا غائب ہونا اس کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ تاہم اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے نرم لہجے میں کہا "ٹھیک ہے انسپکٹر۔ اب میں سیدھی طرح بات کروں گا۔ تم یہ جاننا چاہتے ہو ناکہ میں نے عبدالرزاق کو زمین بیچنے پر کیسے قائل کیا۔ میں اس کا جواب دوں گا لیکن لفظی نہیں عملی۔"

"کیا مطلب۔"

"میری خواہش ہے کہ یہ انسپکٹر اسی جگہ بیٹھ کر بہ آواز بلند خود کو سو بار گدھا تسلیم کرے۔" ذہین اُختر نے سرسری لہجے میں کہا "میں چاہتا ہوں کہ یہ اپنی پوری قوت سے میری خواہش کے خلاف مدافعت کرے اور ناکام رہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ میری خواہش پوری کئے بغیر یہاں سے ہلے بھی نہیں۔"

انسپکٹر کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھرے۔ اس کے ہونٹ یوں لرز رہے تھے جیسے وہ کچھ کہنا چاہ رہا ہو لیکن کہہ نہیں پا رہا ہو۔ آخر اس کے ہونٹوں سے لرزتی ہوئی آواز نکلی "میں....... گدھا ہوں.......... میں۔" ہر بار خود کو گدھا کہتے ہوئے اس کے تاثر کی اذیت ناکی بڑھ جاتی۔ پھر پندرہ بیس بار میں گدھا........ ہوں کی گردان کرنے کے بعد جیسے اس کی مدافعت دم توڑنے لگی۔ اس کے جملے رواں ہونے لگے لیکن چہرے پر اذیت کی تحریر گہری ہوتی گئی۔

ذہین اختر پرسکون بیٹھا گنتی کیے جا رہا تھا۔

سو کی گنتی پوری کرکے انسپکٹر یوں جھٹکے سے اٹھا جیسے کسی تیز رفتار گاڑی کو اچانک بریک لگایا گیا ہو۔ چند لمحے وہ ساکت بیٹھا رہا جو کچھ عبدالرزاق نے بتایا تھا وہ اس کی سمجھ میں پوری طرح آ گیا تھا۔

وہ اٹھا اور تیزی سے دروازے کی طرف جھپٹا لیکن عقب سے ذہین اختر کی پکار نے اس کے قدم تھام لیے۔ اس نے پلٹ کر سوالیہ نظروں سے ذہین اختر کی طرف دیکھا

"آئندہ میرے پاس صرف کلائنٹ بن کر آنا اور اس وردی میں ہرگز نہ آنا۔ سمجھ گئے؟"

"جی میں سمجھ گیا۔" انسپکٹر نے سعادت مندی سے کہا اور کمرے سے نکل بھاگا۔

☆-------------○-------------☆

سیٹھ داؤد کے فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھایا "ہیلو........ داؤد اسپیکنگ۔" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"میں ذہین اختر بول رہا ہوں۔ چار دن ہو گئے۔ تمہارا فون نہیں آیا تو میں نے سوچا کہ خود ہی فون کرکے معلوم کر لوں۔"

سیٹھ داؤد کا دل بے ایمان ہو چکا تھا۔ تیس لاکھ کا معاملہ تھا اور پھر کام تو ہو چکا تھا اب ذہین اختر کیا کر سکتا تھا "کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟" اس نے خشک لہجے میں پوچھا۔

"یہی کہ تمہارا کام ہو گیا یا نہیں؟"

"کون سا کام؟"

"وہی عبدالرزاق کی زمین والا۔"

"وہ زمین تو میں نے خرید لی ہے۔"

"میرے تیس لاکھ جمع کرا دیے؟"

"کون سے تیس لاکھ؟"

"وہی تیس لاکھ معاوضے والے' جن کی بات تمہارے ہمارے درمیان طے ہوئی تھی۔"

"کیسے تیس لاکھ؟ کہاں کا معاوضہ؟ تم نے تو میرا کام نہیں کیا۔ وہ تو خود عبدالرزاق کے دل میں آ گئی کہ اسے زمین بیچنی ہے۔ تمہارے کچھ کرنے سے پہلے ہی وہ خود چل کر میرے پاس آ گیا تھا۔ اس نے سودا ہنسی خوشی کیا ہے۔ تم کہاں سے بیچ میں آ گئے۔"

"اوہ' یہ تو مجھے معلوم ہی نہیں تھا۔ خیر ناحق تکلیف دہی پر معذرت خواہ ہوں۔ گڈبائی۔" دوسری طرف سے ذہین اختر نے بے حد خلوص اور خوش اخلاقی سے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

داؤد ریسیور رکھ کر اپنے پارٹنر احسان کی طرف مڑا "اسے کہتے ہیں آم کے آم گٹھلیوں کے دام۔"

"میرے خیال میں یہ تم نے زندگی کی بدترین غلطی کی ہے۔" سیٹھ احسان نے کہا "جو شخص یہ ناممکن کام کروا سکتا ہے وہ کام بگاڑ بھی سکتا ہے۔"

"کاش تم فون سن رہے ہوتے۔" داؤد نے چٹخارے لے کر کہا۔ "میری بات سن کر وہ دم دبا کر بیٹھ گیا۔ الٹی معذرت کی اس نے مجھ سے۔"

"میرا خیال اب بھی یہی ہے۔ خدا کرے' خیریت ہی رہے۔"

"تم تو خواہ مخواہ ڈرتے ہو یار۔" داؤد بولا "اس تیس لاکھ کی بچت میں تمہارا حصہ بھی تو ہے۔"

☆-------------○-------------☆

سیٹھ داؤد کو دوبارہ اپنے سامنے دیکھ کر عبدالرزاق حیران رہ گیا۔ اس نے سوچا

شاید کسی قانونی کارروائی میں اس کی ضرورت ہو گی۔

عبدالرزاق کو اس بات کا ملال تھا کہ ان دکانوں کے لئے اس نے ساٹھ لاکھ کی آفر ٹھکرا دی تھی اور پھر جانے کیا ہوا کہ اس نے خود جاکر اسی پارٹی سے پندرہ لاکھ میں سودا کرلیا۔ اسے لگتا تھا کہ اس کی جیب سے 45 لاکھ نکل گئے ہیں۔

ملال اپنی جگہ لیکن وہ جانتا تھا کہ اس کے لئے پندرہ لاکھ بھی کم نہیں۔ انسپکٹر ظہیر کی پشت پناہی نہ ہوتی تو وہ سیٹھ داؤد کا دباؤ نہیں جھیل سکتا تھا۔ اس کے ہتھکنڈوں کے سامنے اسے آخرکار ہتھیار ڈالنے پڑتے اور اسے دو تین لاکھ سے زیادہ ہرگز نہ ملتے لیکن انسپکٹر ظہیر کے ہوتے سیٹھ داؤد کچھ بھی نہیں کرسکا تھا اور انسپکٹر ظہیر لمبا ہاتھ مارنے کے چکر میں تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ اس زمین کے ایک کروڑ دلائے گا۔ پچیس لاکھ اس کے ہوں گے تو نقصان میں وہ نہیں رہا تھا۔ بلکہ نقصان انسپکٹر ظہیر کا ہوا تھا۔

"کہو سیٹھ، کیسے آئے؟" عبدالرزاق نے داؤد سے پوچھا۔

"میرے ساتھ کورٹ چلنا ہے تمہیں۔"

"کیوں؟ کارروائی میں کوئی کمی رہ گئی ہے؟"

دیکھتے ہی دیکھتے سیٹھ داؤد کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ "میں اس زیادتی کی تلافی کرنے آیا ہوں، جو میں نے تمہارے ساتھ کی ہے۔" اس نے رقت آمیز لہجے میں کہا "اللہ مجھے معاف کرے۔"

عبدالرزاق حیران رہ گیا "کون سی زیادتی سیٹھ؟"

"میں نے تم سے تمہاری مرضی کے خلاف تمہاری دکانیں خریدیں۔ یہ بہت بڑی زیادتی تھی۔ بس تم کورٹ چلو میرے ساتھ۔"

عدالت میں کارروائی مکمل ہونے کے بعد سیٹھ داؤد نے کاغذات عبدالرزاق کو دیتے ہوئے کہا "اب میرا ضمیر مطمئن ہو گیا۔ میں نے تمہاری زمین تمہیں گفٹ کردی۔"

"لیکن سیٹھ........"

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔ ہم دولت مند بھی خوف خدا رکھتے ہیں۔ کم سہی اور کبھی

کبھار سہی۔ بس اب تم گھر جاؤ اور اپنی دکانیں سنبھالو۔"

حیران ششدر عبدالرزاق اپنے گھر آگیا۔

☆------------O------------☆

عالیہ اور شاہد کے کیس میں ذہین اختر سے نادانستگی میں نیکی سرزد ہو گئی تھی۔ اپنے طور پر اس نے ان کے ساتھ وہی کچھ کیا تھا جو عاقلہ اور وہ اپنے ساتھ کر چکے تھے۔ عاقلہ اپنے باس سے شادی کرتے ہوئے ذہین اختر کی محبت سے دستبردار نہیں ہوئی تھی۔ اب ذہین اختر اس محبت کی آگ میں جل رہا تھا جسے اس نے درخشاں مستقبل کی آرزو میں کچل دیا تھا اور وہ جانتا تھا کہ دوسری طرف عاقلہ بھی اس آگ میں جل رہی ہو گی۔ وہ عاقلہ کو اور خود کو صرف ایک خواہش کے ذریعے اس آگ سے بچا سکتا تھا لیکن شاید وہ سزا تھی جو وہ خود کو اور عاقلہ کو دے رہا تھا۔ جدائی کا فیصلہ عاقلہ نے خود کیا تھا تو ملن کا فیصلہ بھی اسے خود ہی کرنا تھا۔ اب وہ چاہ رہا تھا کہ عالیہ اور شاہد بھی اسی آگ میں جلیں۔

عالیہ نے شاہد کو اپنا فیصلہ سنایا تو شاہد کا ردعمل ذہین اختر کی خواہش کے مطابق تھا۔ اس نے نہ حیرت ظاہر کی نہ کوئی احتجاج کیا۔ بس اتنا کہا کہ ہم دونوں نے اتنی بڑی ترغیب کا سامنا اتنے عرصے تک کیا تو یہ صرف خدائے کریم کی عنایت تھی۔ ورنہ آدمی بہت کمزور ہوتا ہے۔ اس نے عالیہ کو صوفیہ کے بارے میں بھی بتا دیا۔

"لیکن شاہد، میں تمہاری محبت سے دستبردار نہیں ہو سکتی۔" عالیہ نے کہا۔

"اس کی ضرورت بھی نہیں۔ ہماری محبت اتنی گھٹیا نہیں کہ حصول سے مشروط ہو۔ میں بھی زندگی کی آخری سانس تک تم سے محبت کرتا رہوں گا۔"

"لیکن کیا یہ خیانت نہیں ہو گی کہ ہم جئیں کسی کے ساتھ اور محبت کسی اور سے کرتے رہیں۔"

"میرے ساتھ یہ مسئلہ نہیں۔ میں صوفیہ کو تمہارے بارے میں بتا چکا ہوں۔ اس کے بعد خیانت کا کوئی سوال نہیں رہتا۔"

"یوں تو میں بھی لودھی صاحب کو تمہارے بارے میں بتا چکی ہوں۔"

"بس تو پھر تمہارے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں ہونا چاہئے۔"

"لیکن تم مجھ سے ملنے کی کوشش نہ کرنا۔ تم سے ملوں گی تو میں کمزور ہو جاؤں گی۔"

"میں خود تم سے یہی کہنے والا تھا۔ تم بے فکر رہو۔ میں تمہارے راستے میں کبھی نہیں آؤں گا۔"

یوں وہ دونوں اداسی میں لپٹے دل لئے' بغیر کسی ناراضی کے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

☆-------------○-------------☆

ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ روبینہ نے ریسیور اٹھایا "خواہش کارپوریشن۔"

"میری ذہین صاحب سے بات کرائیے پلیز۔" دوسری طرف سے کسی نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ اپنی خواہش بتائیے۔ اس کے بعد آپ ذہین صاحب سے ملاقات کا وقت لے سکیں گے۔" روبینہ نے جواب دیا۔

"میرا معاملہ مختلف ہے۔ میں آپ کا کلائنٹ ہوں۔ میری خواہش کے معاملے میں کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ پلیز ذہین صاحب سے بات کرائیں میری۔ میرا نام عامر جمشید ہے۔"

"ایک منٹ ہولڈ کریں۔" روبینہ نے کہا پھر اسٹینو فون کا کھٹکا ہٹا کر ذہین اختر سے بات کی "ٹھیک ہے۔ میری بات کرا دو۔" ذہین اختر نے کہا۔

"عامر صاحب' ذہین صاحب سے بات کریں۔" روبینہ نے کہا اور لائن اندر دے دی۔

دوسری طرف سے ذہین کی ہیلو سنتے ہی عامر پھٹ پڑا "ذہین صاحب خدا کے لئے کچھ کیجئے۔ بہت بڑی گڑبڑ ہو گئی ہے۔

"کیا آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ آپ کی خواہش پوری نہیں ہوئی؟" ذہین اختر نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"میں تباہ برباد ہو گیا ذہین صاحب۔"

"آپ میرے سوال کا جواب دے رہے ہیں یا میں ریسیور رکھ دوں؟"

"میری خواہش تو پوری ہو گئی لیکن بہت بڑی گڑبڑ ہو گئی۔ ذہین صاحب پلیز فون نہ رکھیے گا۔"

"میں سن رہا ہوں۔"

"میری خواہش کے مطابق نائلہ نے طلاق مانگی' اور میں نے اسے طلاق دے دی۔ گھر بھی چھوڑ دیا پھر میں نے حمیرا سے بات کی تو وہ کہنے لگی کہ میں نے غلطی کی۔ اس نے کہا کہ اگر اس نے فرید سے طلاق لے کر مجھ سے شادی کی تو سوسائٹی میں ہمارا مذاق بنے گا اور فرید کی بلاوجہ توہین ہو گی۔ بچے بھی رلیں گے۔ پھر فرید جسمانی اعتبار سے بھدا سہی لیکن اس نے جان لیا ہے کہ وہ اندر سے بہت اچھا انسان ہے۔ وہ طلاق مانگ کر اسے دکھ نہیں دے سکتی۔"

"بات معقول ہے۔" ذہین اختر نے کہا۔

"آپ بھی یہی کہہ رہے ہیں۔ اب بتائیے میں کیا کروں؟"

"صبر کرو۔ اس کے سوا تم کچھ کر بھی نہیں سکتے۔"

"میں تباہ ہو گیا ہوں ذہین صاحب۔ قلاش ہو گیا ہوں میں۔ مجھے اس کا غم نہیں لیکن مجھے حمیرا بھی تو نہیں ملی۔ خدا کے لئے کچھ کریں۔"

"میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"حمیرا سے میری شادی کرا دیں۔"

"وہ شادی شدہ نہ ہوتی تو ضرور کرا دیتا۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ شادی شدہ عورت کو ورغلانے کا گناہ میں نہیں کر سکتا اور وہ بھی کسی دوسرے کے لئے۔ کسی قیمت پر نہیں۔"

"تو میں کیا کروں اب؟" آواز سے لگتا تھا کہ عامر جمشید اپنے سر کے بال نوچ رہا ہے "میں نے نائلہ سے ملنے کی کوشش کی تھی اس نے یہ کہہ کر ملنے سے انکار کر دیا کہ طلاق ہو چکی ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ میں دوبارہ شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ بھی طلاق لے کر پچھتا رہی ہے لیکن اس نے کہا کہ حلالہ کے بغیر یہ بھی ممکن نہیں۔"

"درست کہا اس نے۔ دوبارہ شادی کے لئے حلالہ ضروری ہے۔" ذہین اختر نے کہا۔

"تو آپ میری مدد کیجئے نا۔" عامر اب گڑگڑا رہا تھا "آپ نائلہ سے شادی کر لیں۔ میری خاطر۔"

"یہ بھی ناممکن ہے۔ میں بہت گناہ گار آدمی ہوں۔ تم مجھے بالکل ہی تباہ کر دینا چاہتے ہو۔"

"اس میں حرج کیا ہے۔ میں نے آپ کو ایک فضول خواہش کا معاوضہ پانچ لاکھ دیا۔ اب میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ آپ میری مدد کر سکتے ہیں۔"

"جانتے بھی ہو حلالہ کیا ہے۔" ذہین اختر نے گرج کر کہا "تم تو نکاح کا مفہوم بھی نہیں جانتے۔ جس شخص کے ذہن میں نکاح سے پہلے یہ ارادہ اور یقین ہو کہ بعد میں وہ کسی بھی وجہ سے اپنی منکوحہ کو طلاق دے دے گا' اس پر لعنت بھیجی گئی ہے۔ اب تم حلالہ کے لئے کسی سے معاملات طے کرو یا کچھ بھی کرو۔ میرا پیچھا چھوڑ دو۔" اس نے ریسیور پٹخ دیا۔

☆-------------O-------------☆

ذہین اختر کی ہدایت کے مطابق صوفیہ ہارون نے خود ہی پہل کی۔ حالانکہ وہ بہت عجیب سا محسوس کر رہی تھی لیکن شاہد کا ردعمل بے حد حوصلہ افزا تھا۔

صوفیہ نے شاہد کو اپنے دفتر میں بلا لیا تھا "شاہد صاحب' میں آپ کی شادی کے سلسلے میں آپ کی مدد کرنا چاہتی ہوں۔" صوفیہ نے کہا۔ اگرچہ اس کا دل ڈر رہا تھا یہ کہتے

ہوئے۔ اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہ تو خود شاہد سے شادی کرنا چاہتی تھی اور ڈر رہی تھی کہ کہیں ذہین اختر اسے بالکل ہی نہ مروا دے۔

شاہد نے نظریں اٹھا کر حیرت سے اسے دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں استفسار تھا۔

"اس روز آپ نے بتایا تھا کہ آپ کسی لڑکی کو پسند کرتے ہیں' آپ نے کچھ مجبوریوں کا بھی تذکرہ کیا تھا۔ میں نے بہت غور کیا بہت سوچا تو یہ بات سمجھ میں آئی کہ یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں۔ صرف پیسہ ہی تو چاہیے۔ وہ میں فراہم کر سکتی ہوں۔ آپ صرف اتنا بتا دیں کہ کتنی رقم چاہئے ہو گی آپ کو۔"

شاہد کی نظروں میں اب بھی حیرت تھی "یہ خیال کیوں آیا آپ کو؟ اور آپ اس سلسلے میں کیوں سوچتی رہیں؟" اس نے پوچھا۔

وہ اسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ صوفیہ نے نظریں جھکالیں "آپ میرے لئے بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ میں آپ کو ہر حال میں خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔" اس نے نظریں اٹھائیں اور شاہد کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔

اس بار شاہد نے نظریں جھکالیں "بھول جائیے اس بات کو۔ عالیہ نے شادی کر کے اپنا مسئلہ حل کر لیا ہے۔"

"اوہ۔ آئی ایم سوری شاہد۔ رئیلی سوری۔" صوفیہ کی آواز لڑکھڑا گئی۔ اسے یہ امید نہیں تھی۔ اب اسے یقین ہونے لگا کہ بات بننے ہی والی ہے۔

"اس کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ مجھے کوئی افسوس نہیں ہوا۔" شاہد نے سادگی سے کہا "اس نے ٹھیک ہی کیا۔ میں اسے دے بھی کیا سکتا تھا۔"

"آپ کی یہ سوچ غلط ہے شاہد۔" صوفیہ نے اپنے لہجے میں محبت سموتے ہوئے کہا "آپ کے پاس سب کچھ ہے' کیا نہیں ہے۔ آپ پیسے کو اتنی اہمیت کیوں دیتے ہیں۔"

"پیسے کی بہت بڑی اہمیت ہے۔"

"ایک بات کہوں شاہد۔" صوفیہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا اور وہاں حوصلہ افزائی دیکھ کر بات آگے بڑھائی "میں اب تک آپ کی عالیہ کے لئے محبت کے احترام میں

خاموش رہی مگر اب اس بدلی ہوئی صورت حال میں' میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں کہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں اور آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔"

شاہد بالکل حیران نہیں ہوا۔ جیسے پہلے ہی سے واقف ہو "یہ میرے لئے اعزاز ہے مس صوفیہ لیکن شادی کے ساتھ ہی یہ بات میرے لئے باعث تذلیل ہو جائے گی۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"یہی کہا جائے گا کہ میں نے دولت کی خاطر آپ سے شادی کی۔ جو زبان سے نہیں کہہ سکیں گے ان کی آنکھیں یہی بات کہیں گی۔"

"لیکن شاہد' اس سے............"

"مجھے فرق پڑتا ہے مس صوفیہ۔ میں یہ توہین برداشت نہیں کر سکتا۔ آپ سے شادی میرے لئے خوشی کی بات ہو گی لیکن پہلے میں آپ کا ہم پلہ نہ سہی' آپ کے قابل بننے کی کوشش ضرور کروں گا۔"

"یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں۔ میں فوری طور پر آپ کو ملازمت سے نکال رہی ہوں۔"

شاہد کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"آپ اپنا کاروبار شروع کریں۔ اپنے نام سے۔" صوفیہ نے بات مکمل کی "سرمائے کی فکر نہ کریں۔ وہ میں فراہم کروں گی۔"

☆-------------○-------------☆

روبینہ نے اسٹینو فون پر ذہین اختر کو بتایا کہ احسان علی صاحب اس سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ ذہین نے کلائنٹس کی فہرست میں چیک کیا تو پتا چلا کہ وہ اولاد کی خواہش کرنے والا کلائنٹ ہے "ٹھیک ہے بات کراؤ۔" اس نے روبینہ سے کہا۔

سیٹھ احسان کی آواز ریسیور پر ابھری تو اس نے کہا "کیا میں آپ کو مبارکباد دوں سیٹھ صاحب؟"

"ارے نہیں ذہین صاحب۔ اتنی جلدی کیسے پتا چل سکتا ہے؟" احسان علی کے لہجے میں کھسیاہٹ تھی۔

"ناممکن کام وقت اور قانون کے پابند نہیں ہوتے۔ وہ تو کسی بھی وقت ہو سکتے ہیں۔ خیر تو اس وقت آپ نے کیسے زحمت کی؟"

"آپ تو جانتے ہی ہیں کہ میں پیراگون ایسوسی ایٹس کا پارٹنر ہوں۔ وہ ایک زمین کا مسئلہ تھا............"

"عبدالرزاق والی زمین؟"

"جی ہاں میں............"

"اس معاملے سے آپ کا کوئی تعلق نہیں۔ میں اس سلسلے میں صرف داؤد صاحب سے بات کر سکتا ہوں۔"

"داؤد گھبرا رہے ہیں کہ آپ ان سے بات بھی نہیں کریں گے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔ انہوں نے میری کوئی جاگیر تو نہیں دبائی ہے کہ میں ان سے خفا ہوں۔ ویسے بھی میں کاروباری آدمی ہوں' کاروباری معاملات میں غصہ نہیں کرتا۔"

"تو میں ریسیور داؤد کو دے دوں؟" احسان کے لہجے میں التجا تھی۔

"ضرور کیوں نہیں۔"

چند لمحے بعد ریسیور پر سیٹھ داؤد کی لرزتی آواز ابھری "سلاما لیکم ذہین بھائی۔ کیسے ہیں آپ؟"

"اللہ کا کرم ہے۔ آپ اپنی سنائیے خوش تو ہیں آپ؟" ذہین اختر نے چہک کر کہا۔

"خوشی؟ ذہین بھائی' آپ نے تو میرا بیڑا غرق کر دیا۔ وہ پندرہ لاکھ بھی گئے اور زمین بھی پھر پھنس گئی۔" داؤد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تو اس سے میرا کیا تعلق بھائی؟" ذہین اختر نے معصومیت سے کہا "کچھ بتائیے تو سہی کہ کیا ہوا۔"

"ہونا کیا تھا۔" ریسیور پر گہری سانس کی آواز سنائی دی "میں نے خود عدالت جاکر وہ زمین عبدالرزاق کو گفٹ کر دی۔"

"کیسی بے انصافی ہے کہ الزام آپ مجھے دے رہے ہیں۔"

"میں بے بس تھا' مجبور تھا۔ میرا خود پر قابو نہیں تھا۔ یہ تمہاری ہی کی ہوئی گڑ بڑ تھی ذہین بھائی۔"

"پہلے عبدالرزاق خود آپ کے پاس آیا اور میری کہی ہوئی قیمت میں زمین آپ کو بیچ دی۔" ذہین اختر نے سرد لہجے میں کہا "آپ نے کہا کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں تھا۔ وہ تو اس کے دل میں خود بخود یہ خیال آگیا تھا۔ اب آپ خود اس کے گھر چلے گئے اور زمین سے گفٹ دے دی تو کہہ رہے ہیں کہ یہ میرا کیا دھرا ہے۔ یہ خیال آپ کے دل میں خود بخود نہیں آیا تھا............"

"ناراض کیوں ہوتے ہو ذہین بھائی۔" سیٹھ داؤد نے گھبرا کر کہا "ہم تو پہلے ہی مرے ہوئے ہیں۔ مرے ہوؤں کو کیوں مارتے ہو۔"

ذہین اختر کو ہنسی آگئی "آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں آخر؟"

"مجھے وہ زمین دلا دو ذہین بھائی۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔"

"آپ جانتے ہیں سیٹھ داؤد کہ وہ زمین آپ کو قیامت تک نہیں مل سکتی۔" ذہین اختر نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

"جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم اب بھی مجھے وہ زمین دلا سکتے ہو۔ خدا کے لئے مجھ پر مہربانی کرو۔" داؤد گڑگڑایا۔

"خدا کو درمیان میں نہ لاؤ سیٹھ۔ اور نہ مہربانی کی بات کرو۔ میں یہاں کاروبار کے لئے بیٹھا ہوں۔ مہربانی کرنے کے لئے نہیں۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں ہر طرح سے حاضر ہوں ذہین بھائی............"

"اب تمہیں وہ زمین 90 لاکھ میں پڑے گی۔ تیس لاکھ عبدالرزاق کو اور ساٹھ لاکھ مجھے دینے ہوں گے۔"

لائن پر خاموشی چھا گئی۔ ذہین اختر چند لمحے انتظار کرتا رہا پھر بولا۔ "ہیلو کیا میں ریسیور رکھ دوں؟"

"نہیں ذہین بھائی۔" فوراً ہی سیٹھ کی ڈوبتی ہوئی آواز ابھری۔ "یہ بہت زیادہ ہے

ذہین بھائی۔ رحم کرو۔"

"کچھ نہیں ہو سکتا سیٹھ۔ تمہیں پہلے سے ڈبل دینا ہو گا۔ ورنہ صبر کرو۔"

"اور وہ پندرہ لاکھ جو میں عبدالرزاق کو دے چکا ہوں۔"

"اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ تم پہلے ہی کہہ چکے ہو۔" ذہین اختر نے بے رحمی سے کہا۔ "ابھی فیصلہ کر کے بتا دو۔ ورنہ آج کے بعد میں تم سے کبھی بات بھی نہیں کروں گا۔"

"ٹھیک ہے مجھے منظور ہے۔"

"اوکے مگر ایک بات سن لو۔ اب مجھے تم پر اعتبار نہیں۔ کل میرے اکاؤنٹ میں ساٹھ لاکھ جمع کرا کے رسید مجھے لا کر دکھاؤ۔ اس کے دو دن بعد تمہارا کام ہو گا۔"

"ٹھیک ہے ذہین بھائی۔ تھینک یو۔"

ذہین اختر نے ریسیور رکھا اور مسکرا دیا۔ "اللہ مجھے اس کا اجر تو دے گا کہ میں اس زمانے میں بھی لوگوں کو ایمانداری اور دوسروں پر اعتبار کرنے کا درس دے رہا ہوں۔" وہ بڑبڑایا۔



خواہش کارپوریشن کا اشتہار اب ہفتہ وار شائع ہو رہا تھا۔ فون کالز کا یہ حال تھا کہ تانتا بندھا رہتا تھا۔ یہ الگ بات کہ ملاقات کے مرحلے تک کم ہی لوگ پہنچتے تھے۔ ذہین اختر خوش تھا۔ زیادہ تر لوگوں کا مسئلہ وہی تھا جو اس کا تھا۔ یعنی دولت۔ یہاں ذہین اختر خود پر فخر کرتا تھا کہ اس نے خوش قسمتی کے زور پر نہیں بلکہ اپنی ذہانت سے دولت کمائی تھی۔ خوش قسمتی کو تو اس نے محض سہارے کے طور پر استعمال کیا تھا۔

وہ اس دوران مارکیٹ کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ دولت کے بعد جس چیز کی سب سے زیادہ خواہش کی جا رہی تھی وہ محبت یا ہوس تھی۔ ذہین اختر اس پر حیران تھا۔ محبت تو ایسی چیز تھی جسے آدمی نرمی اور محبت کے زور پر جیت سکتا تھا لیکن ہو یہ رہا تھا کہ لوگ اسے دولت کے زور پر حاصل کرنے کے خواہاں تھے۔ ان کے پاس محبت کے حصول کی خواہش کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ان کے پاس بدلے میں دینے کے لیے محبت نہیں ہے۔ نرمی اور مہربانی جیسے جذبوں سے لوگ محروم ہو چکے تھے۔

پھر سب سے زیادہ لوگ دوسروں کی موت کی خواہش لے کر نکلتے تھے۔ ذہین اختر کو خوف آنے لگا۔ لگتا تھا' ہر شخص کسی نہ کسی کی موت یا مکمل تباہی و بربادی کی خواہش رکھتا ہے۔ کوئی کسی کا کاروبار تباہ کر دینا چاہتا تھا۔ کوئی کسی کی عزت اور ساکھ ملیامیٹ کر دینا چاہتا اور کوئی کسی کی جان لینا چاہتا تھا۔ یعنی رحم اور درگزر جیسے جذبے مفقود الخبر ہوئے جا رہے تھے۔ انتقام کی خواہش ان کے نیک جذبوں کو نگل رہی تھی۔ موت کی خواہش کرنے والوں سے وہ انکار کر دیتا۔ موت کو اس نے اپنی فہرست سے باہر ہی رکھا

تھا۔ بلکہ وہ منفی خواہشات کی حوصلہ افزائی نہیں کرنا چاہتا تھا پھر بھی وہ منفی خواہشات والوں کی باتیں سنتا تھا۔ ظلم اور زیادتی پر اسے غصہ آتا تھا۔ وہ تمام کوائف لے کر ایجنسی کے سپرد کر دیتا۔ ان کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں وہ فیصلہ کرتا کہ کیس لینا ہے یا نہیں۔ ظالموں میں سے بعض تو ایسے نکلتے تھے جنہیں وہ بلامعاوضہ بھی تباہ کر سکتا تھا لیکن پھر وہ سوچتا کہ کاروبار آخر کاروبار ہی ہے۔

اس کے بعد زمین اور اولاد کی خواہش کثرت سے کی جاتی تھی۔ زر' زن اور زمین تو خیر انسان کے ازل سے نزاعی مسائل ہیں لیکن اولاد بھی انسان کی بہت بڑی خواہشات میں سے تھی۔ پھر لوگ صحت کی.......... یعنی شفا کی خواہش لے کر بھی اس کے پاس آتے تھے۔

غرض وہ خواہشوں کا بازار لگائے بیٹھا تھا اور انسانی باطن اس کے سامنے آ کر عریاں ہو جاتا تھا۔ تھوڑے ہی عرصے میں انسانی نفسیات کے ایسے ایسے پہلو اس کے سامنے بے نقاب ہوئے تھے کہ اگر وہ نفسیات پر کتاب لکھ دیتا تو تہلکہ مچ جاتا۔

کچھ بھی ہو اس کا کاروبار بہت اچھا جا رہا تھا لیکن وہ خوش اور مطمئن نہیں تھا۔ اب جبکہ اس کے پاس رہنے کو بہت خوبصورت بنگلہ تھا۔ ہر طرح کے ملازم موجود تھے۔ ہر طرح کی آسائش اور آرام تھا لیکن وہ خود کو بہت زیادہ تنہا محسوس کرتا تھا۔ زندگی صرف کاروبار اور پیسے تک محدود ہو گئی تھی۔ وہ انسانی جذبوں سے محروم ایک مشین بن گیا تھا۔

اس روز اسے خیال آیا کہ خواہشات کے اکاؤنٹ میں سے وہ بہت تیزی سے خرچ کر رہا ہے۔ اس نے تو حساب بھی نہیں رکھا۔ یوں تو اسے معلوم ہی نہیں ہو سکے گا کہ اس کے اکاؤنٹ کی کیا پوزیشن ہے۔ اس کے لیے اسے دیوی کو طلب کرنا تھا۔

اس نے تین بار تالی بجائی اور دو منٹ کے انتظار کے بعد باتھ روم میں گھس گیا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ دیر لگائے گی انتظار کرائے گی اور پھر پرہجوم ٹریفک کا عذر پیش کرے گی۔ لہٰذا کیوں نہ وہ اسے انتظار کرائے۔ وہ باتھ روم میں نہایت اطمینان سے نہانے میں

مصروف ہو گیا۔

ایک منٹ بعد باہر سے دیوی نے پکارا۔ "میں آ گئی ہوں جلدی سے باہر آؤ اور اپنا مقصد بیان کرو۔"

"میں ابھی نہیں آ سکتا۔ نہا رہا ہوں۔" اس نے باتھ روم سے چیخ کر کہا۔

"میں اتنی دیر انتظار نہیں کر سکتی۔"

"انتظار کراؤ گی تو انتظار کرنا بھی پڑے گا۔"

"میں غرض مند نہیں ہوں۔ غرض مند تم ہو۔"

بات سچی تھی۔ ذہین اختر سوچ میں پڑ گیا پھر بھی اس نے دل کڑا کر کے کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم میری بات سنے بغیر نہیں جا سکتیں۔"

چند لمحے خاموشی رہی پھر دیوی کی جھنجلائی ہوئی آواز سنائی دی۔ "تم باہر آ جاؤ ورنہ میں اندر آ جاؤں گی۔"

"یو آر موسٹ ویلکم۔" ذہین اختر نے ڈھٹائی سے کہا۔

"تم سچ مچ بہت گھٹیا آدمی ہو۔"

وہ نہا کر باہر نکلا تو دیوی کو باہر کھڑے ہوئے پایا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کے قدموں کی آہٹ سن کر چونکی۔ اس نے سر اٹھایا اور بولی۔ "میں سمجھی تھی کہ تم سے میری جان چھوٹ گئی ہے۔ اب تمہاری خواہشیں ویسے ہی پوری ہو جاتی ہیں پھر مجھے بلانے کی کیا ضرورت ہے۔"

"اوہ یہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔" ذہین اختر نے کہا اور وہ واقعی بھول گیا تھا۔ "لیکن تمہارے آنے کا مطلب یہ ہے کہ تم اب بھی بک ہو۔ میں جب بھی طلب کروں گا تمہیں آنا پڑے گا۔"

دیوی نے کوئی جواب نہ دیا۔ دانتوں سے نچلا ہونٹ چباتی رہی پھر اس نے سرد لہجے میں پوچھا۔ "کیا چاہتے ہو؟"

"معمولی سی بات ہے۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ میری کتنی خواہشیں باقی رہ گئی

ہیں۔"

"یہ میں نہیں بتا سکتی۔ میں تمہاری اکاؤنٹنٹ نہیں ہوں۔" دیوی نے سرد لہجے میں کہا۔

"یہ میری خواہش ہے۔" ذہین اختر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرے اندر جلنے والی سرخ بتی بتا رہی ہے کہ تمہاری یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔"

ذہین اختر ڈھٹائی سے مسکراتا رہا۔ "چلو کوئی بات نہیں۔ میرے پاس اس کا حل موجود ہے۔" اس نے کچھ توقف کیا پھر بولا۔ "میری خواہش ہے کہ میری مزید پانچ ہزار خواہشیں پوری کی جائیں۔"

دیوی آگ بگولا ہو گئی۔ "ذہین اختر اب میں تمہیں خبردار کر رہی ہوں۔ محتاط رہنا۔ اس لمحے سے میں تمہارے خلاف ایک ایسی جنگ کا آغاز کر رہی ہوں جو تمہیں تباہ کر دے گی۔" اس نے تند لہجے میں کہا۔ "یہ نہ کہنا کہ میں نے تمہیں خبردار نہیں کیا تھا۔"

"پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ میرے اکاؤنٹ میں پانچ ہزار خواہشیں جمع ہو گئیں یا نہیں۔"

"وہ جمع ہو چکیں۔ اب میں جا رہی ہوں۔"

دیوی کے غائب ہونے کے بعد ذہین اختر بہت دیر تک سوچتا رہا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ دیوی کا اس بار کا چیلنج سنگین نوعیت کا ہے۔ اسے خود کو انجانے مسائل کے لیے تیار کرنا ہو گا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ اسے مسائل کی نوعیت کا اندازہ نہیں تھا۔ اندازہ ہو بھی نہیں سکتا تھا۔

اس نے بے پروائی سے کندھے جھٹک دیے۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔

☆------------O------------☆

روبینہ نے ریسیور اٹھایا۔ "خواہش کارپوریشن.........."

"جی میں عاشق حسین بول رہا ہوں۔"

کھا گیا۔

روبینہ یہ نام اور یہ آواز کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔ اس لیے کہ خواہش کارپوریشن کو پہلی کاروباری کال اسی شخص نے کی تھی۔ روبینہ کو یاد تھا۔ اس شخص نے دولت کی خواہش کی تھی۔ چنانچہ اسے ذہین اختر سے ملاقات تک نصیب نہیں ہوئی تھی۔
اس کے ذہن میں ایک مصرع گردش کرنے لگا.......... نئے جال لائے پرانے شکاری۔

اس نے شہباز علی کو اگلے روز گیارہ بجے بلا لیا۔

☆----------○----------☆

"مسئلہ یہ ہے کہ میری بیٹی معذور ہے۔ وہ نابینا ہے۔" عاشق حسین ذہین اختر سے کہہ رہے تھے۔

"مجھ سے رجوع کرنے کا مطلب ہے کہ آپ کے پاس دولت کی کمی نہیں۔" ذہین اختر نے کہا۔

"جی، بس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ مائرہ میری اکلوتی بیٹی ہے۔ میرا سب کچھ اسی کا ہے۔" عاشق حسین کے لہجے میں انکسار تھا۔

"تو پھر مسئلہ کیا ہے؟ آپ کی بیٹی کو رشتوں کی کمی تو نہیں ہو سکتی۔"

"اللہ کا بڑا فضل ہے۔ معذوری کے باوجود رشتے آتے رہتے ہیں۔ میری بیٹی کی عمر بھی زیادہ نہیں اور وہ ماشاء اللہ خوبصورت بھی ہے مگر میں اور میری بیوی مطمئن نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ مائرہ کا رشتہ مانگنے والوں کو صرف ہماری دولت نظر آتی ہے۔ ہم میاں بیوی بڈھے ہیں۔ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ ہم تو سکون سے مر بھی نہیں سکتے۔ یہی سوچ کر پریشان ہوتے رہتے ہیں کہ ہمارے بعد نہ جانے مائرہ سے کیا سلوک کیا جائے۔"

"آپ وصیت کے ذریعے اسے دائمی تحفظ عطا کر سکتے ہیں۔" ذہین اختر نے کہا۔

"نہیں ذہین صاحب، آپ مسئلے کو اس گہرائی میں محسوس نہیں کر رہے ہیں، جس کا یہ متقاضی ہے۔ آپ تنہائی کا کرب نہیں جانتے۔"

ذہین اختر تلخی سے مسکرایا۔ "کوئی کسی کا کرب کہاں سمجھ سکتا ہے۔"

"اور کرب بھی ایک معذور اور کم عمر لڑکی کا، جو کچھ دیکھ نہیں سکتی۔" عاشق حسین نے اپنی بات پوری کی۔

"میں یہ نہیں سمجھ سکا ہوں کہ میں اس مسئلے کے حل کے لیے آپ کی مدد کیسے کر سکتا ہوں۔" ذہین اختر نے کہا۔

"دیکھیے ذہین صاحب، اگر میں ایسے لوگوں سے نہ مل چکا ہوتا جن کے ناممکن قسم کے کام آپ نے کیے ہیں تو میں آپ کو فراڈ سمجھتا۔" عاشق حسین نے کہا۔ "اب میں اس یقین کے ساتھ آپ کے پاس آیا ہوں کہ کام بنانے والا تو اللہ ہے لیکن آپ کی یقین دہانی سے میری اور میری بیوی کی تسلی ہو جائے گی۔"

"آپ کی خواہش کیا ہے؟" ذہین اختر نے پوچھا۔

"ایک ایسا داماد، جو میری بیٹی کو وہ محبت اور توجہ دے سکے جس کی وہ مستحق ہو۔ جو دولت کی خاطر شادی کرے تو بھی اولیت میری بیٹی کو ہی دے۔ اس لیے کہ دولت تو اسے ملنی ہی ہے۔ جو عمر بھر میری بچی کو پھولوں کی طرح رکھے۔ یہ نہ ہو کہ مطلب پورا ہوتے ہی اسے کاٹھ کباڑ کی طرح کسی کمرے میں ڈال کر بھول جائے۔"

"آپ کی یہ خواہش انشاء اللہ پوری ہو جائے گی لیکن.........." ذہین اختر نے کہا۔

"آپ جو کہنے والے ہیں، درست ہے۔" عاشق حسین نے اس کی بات کاٹ دی۔ "خواہش پوری ہونے کے بعد معاوضے والی شرط اس کیس میں آپ کے لیے نقصان دہ ہے لیکن یہ کوئی مسئلہ نہیں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ دوسروں پر اعتبار کرتے ہیں۔ تو پھر میں آپ پر اعتبار کیوں نہیں کر سکتا۔ ابھی آپ نے کہا انشاء اللہ میری خواہش پوری ہو جائے گی۔ میرے نزدیک اس کے ساتھ ہی آپ منہ مانگے معاوضے کے مستحق ہو گئے۔"

عاشق حسین نے جیب سے چیک بک نکالی اور ایک چیک پر دستخط کر کے چیک ذہین اختر کی طرف بڑھا دیا۔ "اس میں رقم کا خانہ آپ خود بھر لیجیے گا۔ آپ کا بے حد شکریہ۔ اب میں چلتا ہوں۔"

ذہین اختر عاشق حسین کے جانے کے بعد دیر تک اس کے بارے میں سوچتا رہا۔

کھا گیا۔

روبینہ یہ نام اور یہ آواز کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔ اس لیے کہ خواہش کارپوریشن کو پہلی کاروباری کال اسی شخص نے کی تھی۔ روبینہ کو یاد تھا۔ اس شخص نے دولت کی خواہش کی تھی۔ چنانچہ اسے ذہین اختر سے ملاقات تک نصیب نہیں ہوئی تھی۔

اس کے ذہن میں ایک مصرع گردش کرنے لگا.......... نئے جال لائے پرانے شکاری۔

اس نے شہباز علی کو اگلے روز گیارہ بجے بلا لیا۔

☆----------O----------☆

"مسئلہ یہ ہے کہ میری بیٹی معذور ہے۔ وہ نابینا ہے۔" عاشق حسین ذہین اختر سے کہہ رہے تھے۔

"مجھ سے رجوع کرنے کا مطلب ہے کہ آپ کے پاس دولت کی کمی نہیں۔" ذہین اختر نے کہا۔

"جی، بس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ مائرہ میری اکلوتی بیٹی ہے۔ میرا سب کچھ اسی کا ہے۔" عاشق حسین کے لہجے میں انکسار تھا۔

"تو پھر مسئلہ کیا ہے؟ آپ کی بیٹی کو رشتوں کی کمی تو نہیں ہو سکتی۔"

"اللہ کا بڑا فضل ہے۔ معذوری کے باوجود رشتے آتے رہتے ہیں۔ میری بیٹی کی عمر بھی زیادہ نہیں اور وہ ماشاء اللہ خوبصورت بھی ہے مگر میں اور میری بیوی مطمئن نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ مائرہ کا رشتہ مانگنے والوں کو صرف ہماری دولت نظر آتی ہے۔ ہم میاں بیوی بڈھے ہیں۔ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ ہم تو سکون سے مر بھی نہیں سکتے۔ یہی سوچ کر پریشان ہوتے رہتے ہیں کہ ہمارے بعد نہ جانے مائرہ سے کیا سلوک کیا جائے۔"

"آپ وصیت کے ذریعے اسے دائمی تحفظ عطا کر سکتے ہیں۔" ذہین اختر نے کہا۔

"نہیں ذہین صاحب، آپ مسئلے کو اس گہرائی میں محسوس نہیں کر رہے ہیں، جس کا یہ متقاضی ہے۔ آپ تنہائی کا کرب نہیں جانتے۔"

ذہین اختر تلخی سے مسکرایا۔ "کوئی کسی کا کرب کہاں سمجھ سکتا ہے۔"

"اور کرب بھی ایک معذور اور کم عمر لڑکی کا، جو کچھ دیکھ نہیں سکتی۔" عاشق حسین نے اپنی بات پوری کی۔

"میں یہ نہیں سمجھ سکا ہوں کہ میں اس مسئلے کے حل کے لیے آپ کی مدد کیسے کر سکتا ہوں۔" ذہین اختر نے کہا۔

"دیکھیے ذہین صاحب، اگر میں ایسے لوگوں سے نہ مل چکا ہوتا جن کے ناممکن قسم کے کام آپ نے کیے ہیں تو میں آپ کو فراڈ سمجھتا۔" عاشق حسین نے کہا۔ "اب میں اس یقین کے ساتھ آپ کے پاس آیا ہوں کہ کام بنانے والا تو اللہ ہے لیکن آپ کی یقین دہانی سے میری اور میری بیوی کی تسلی ہو جائے گی۔"

"آپ کی خواہش کیا ہے؟" ذہین اختر نے پوچھا۔

"ایک ایسا داماد، جو میری بیٹی کو وہ محبت اور توجہ دے سکے جس کی وہ مستحق ہو۔ جو دولت کی خاطر شادی کرے تو بھی اولیت میری بیٹی کو ہی دے۔ اس لیے کہ دولت تو اسے ملنی ہی ہے۔ جو عمر بھر میری بچی کو پھولوں کی طرح رکھے۔ یہ نہ ہو کہ مطلب پورا ہوتے ہی اسے کاٹھ کباڑ کی طرح کسی کمرے میں ڈال کر بھول جائے۔"

"آپ کی یہ خواہش انشاء اللہ پوری ہو جائے گی لیکن.........." ذہین اختر نے کہا۔

"آپ جو کہنے والے ہیں، درست ہے۔" عاشق حسین نے اس کی بات کاٹ دی۔ "خواہش پوری ہونے کے بعد معاوضے والی شرط اس کیس میں آپ کے لیے نقصان دہ ہے لیکن یہ کوئی مسئلہ نہیں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ دوسروں پر اعتبار کرتے ہیں۔ تو پھر میں آپ پر اعتبار کیوں نہیں کر سکتا۔ ابھی آپ نے کہا انشاء اللہ میری خواہش پوری ہو جائے گی۔ میرے نزدیک اس کے ساتھ ہی آپ منہ مانگے معاوضے کے مستحق ہو گئے۔"

عاشق حسین نے جیب سے چیک بک نکالی اور ایک چیک پر دستخط کر کے چیک ذہین اختر کی طرف بڑھا دیا۔ "اس میں رقم کا خانہ آپ خود بھر لیجیے گا۔ آپ کا بے حد شکریہ۔ اب میں چلتا ہوں۔"

ذہین اختر عاشق حسین کے جانے کے بعد دیر تک اس کے بارے میں سوچتا رہا۔

اس کی ذہنی کیفیت عجیب ہو گئی تھی۔ دنیا میں کیسے کیسے لوگ ہیں۔ شیطان سے بھی آگے اور فرشتوں سے بھی بڑھ کر۔ عاشق حسین کے اعتبار نے اس کے دل کو چھو لیا تھا۔

روبینہ نے اسے چونکا دیا۔ اس نے پیڈ ذہین اختر کے سامنے رکھ دیا۔ ذہین اختر نے پیڈ پر لکھے ہوئے کوائف پڑھے تو اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "بہت خوب۔" اس نے کہا۔ "یہ کام تو ہاتھ کے ہاتھ ہو جائے گا۔"

روبینہ اسے بتانے لگی کہ درحقیقت شہباز علی کارپوریشن کا پہلا کلائنٹ تھا۔ پہلا فون اسی نے کیا تھا۔ ذہین اختر نے پیڈ سے نظریں اٹھائیں تو خود کو روبینہ کی آنکھوں میں دیکھتے پایا۔ وہ اسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی لیکن اس کی نظریں اٹھیں تو وہ بری طرح گڑبڑا گئی اور اس کی نظریں بے ساختہ جھک گئیں۔ وہ یہ بھی بھول گئی کہ کیا کہہ رہی تھی جیسے تیسے اس نے اپنی بات مکمل کی اور چلی گئی۔

ذہین اختر پُرخیال انداز میں دروازے کو تکتا رہا۔ کچھ عرصے سے وہ خود میں تبدیلی محسوس کر رہا تھا۔ یہ بات تو اس نے ابتدا ہی میں سمجھ لی تھی کہ اس نے روبینہ کو عاطفہ سے مشابہت کی بنا پر منتخب کیا ہے لیکن اب وہ اس میں بے پناہ کشش محسوس کر رہا تھا۔ اس سلسلے میں بھی خود کو ٹٹولنا ضروری تھا۔

کیا اسے روبینہ سے محبت ہو گئی ہے؟ اس سوال کا جواب نفی میں تھا۔ کیا وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے؟ اس کا جواب بھی نفی میں تھا تو کیا یہ نسوانی قرب فطری ضرورت کی وجہ سے ہے؟ اسے دل بستگی کے لیے کوئی کھلونا چاہیے؟ اس کا جواب اثبات میں تھا۔

اس کے ساتھ ہی اس کے ضمیر نے ملامت شروع کر دی۔ وہ جانتا تھا کہ روبینہ بے حد شریف اور مجبور لڑکی ہے۔ مجبور اس اعتبار سے کہ اسے ملازمت کی ضرورت ہے۔ اسے اس کے تمام حالات کا علم تھا۔ وہ نارمل انداز میں پیش قدمی کرتا تو وہ بھڑک کر بھاگ کھڑی ہوتی۔ پھر انسانوں کے اس جنگل میں انسانی بھیڑیوں سے اس کا بچنا محال تھا۔ وہ اس کے ساتھ یہ زیادتی نہیں کر سکتا تھا۔

اس ایک خیال نے اسے چونکا دیا۔ وہ روبینہ کی خواہش بھی تو کر سکتا ہے۔ اس

طرح کچھ بھی نہیں ہو گا۔ روبینہ بھڑکے گی بھی نہیں اور اس کی دل بستگی کا سامان بھی ہو جائے گا۔ اس خیال کے ساتھ ضمیر کا ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر لگا۔ دنیا میں لڑکیوں کی کوئی کمی تو نہیں کہ دل بستگی اتنا بڑا مسئلہ بن جائے اور اس کے لیے ایک پاکیزہ لڑکی کو خراب کیا جائے۔ وہ خود خراب ہونا چاہتا ہے تو اس کی مرضی لیکن اسے دوسروں کو خراب کرنے کا کوئی حق نہیں۔

اس بحث سے کچھ اور ہوا یا نہیں اس کی تنہائی کا مسئلہ ضرور حل ہو گیا۔ وہ حیران تھا کہ اس نے خواہش کا یہ استعمال پہلے کیوں نہیں سوچا۔

☆------------O------------☆

"تم کسی خاص لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہو؟" ذہین اختر نے سامنے بیٹھے ہوئے شہباز علی سے پوچھا۔

"سر، میں بس اس میں ایک ہی خاص بات دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس کے پاس دولت ہو اور وہ اسے میرے ساتھ شیئر بھی کرے۔"

ذہین اختر نے تعجب سے اسے دیکھا۔ وہ اسے اپنے ہی قبیل کا بندہ لگا۔ "خواہ وہ کتنی ہی بدصورت ہو؟"

"میں دولت کے حسن سے خوب واقف ہوں۔"

ذہین اختر اس جواب پر پھڑک اٹھا لیکن اس نے ظاہر نہیں کیا۔ "اور اگر لڑکی خوبصورت بھی ہو تو؟"

"سبحان اللہ سر۔ یہ تو سونے پر سہاگے والی بات ہوئی۔"

"لیکن خوبصورتی کے باوجود اس میں کوئی پیدائشی عیب ہو مثلاً وہ اندھی ہو۔"

"مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا سر۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اس کی کوئی پروا نہیں کرو گے۔ اس کی دل بستگی کی فکر نہیں کرو گے اسے وقت نہیں دو گے۔"

شہباز علی بری طرح بوکھلا گیا۔ "نہیں سر، ایسی کوئی بات نہیں۔ میں اس کا ہر طرح

سے خیال رکھوں گا۔"

"اور اس سے محبت نہیں کرو گے؟"

"کیوں نہیں کروں گا سر۔ یہ تو احسان فراموشی ہو گی کہ جس کی وجہ سے سب کچھ ملے آدمی اس کو نظرانداز کرے۔"

"تم کچھ بھی کہو لیکن ہو گا یہی۔"

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں سر۔"

"مجھے نہیں خود کو یقین دلاؤ۔" ذہین اختر نے سرد لہجے میں بات کاٹ دی۔ "میں تمہاری شادی کرا رہا ہوں لیکن یاد رکھنا کہ پوری زندگی میں اگر اس لڑکی کو تم سے ایک بار بھی کوئی تکلیف پہنچی تو تمہارا ستیاناس کر دوں گا۔ میں تمہاری خواہش پوری کرا سکتا ہوں تو تمہیں سزا بھی دلا سکتا ہوں۔"

"میں جانتا ہوں سر۔"

ذہین اختر نے دراز سے اپنا وزیٹنگ کارڈ اور عاشق حسین کا وزیٹنگ کارڈ نکالا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔ "ان صاحب کے پاس چلے جاؤ انہیں میرا کارڈ دکھا دینا۔ سمجھ لو تمہارا کام ہو گیا۔"

شہباز علی کی سانسیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ "اور آپ کا معاوضہ کتنا ہو گا سر؟ وہ میں شادی کے بعد پیسہ ہاتھ میں آنے پر ہی دے سکوں گا۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔ میرا معاوضہ یہ ہے کہ تم اس لڑکی سے زندگی بھر محبت کرو۔ اسے خوشیاں دو۔ بس اب جاؤ۔"

شہباز علی رخصت ہو گیا۔ ذہین اختر جانتا تھا کہ اس کی دھمکی بے اثر ثابت نہیں ہو گی لیکن وہ ضمانت بھی نہیں ہے اور یہ کام وہ پوری ذمہ داری کے ساتھ کرنا چاہتا تھا۔ زندگی میں پہلی بار کسی نے اس پر اندھا اعتبار کیا تھا۔ اسے اس پر پورا اترنا تھا۔ اسے شہباز علی کو اپنی خواہش کے حصار میں قید کرنا تھا۔

☆------------○------------☆

ایک مہینے کے اندر ذہین اختر کو اندازہ ہو گیا کہ دیوی اس سے کس نوع کی جنگ لڑ رہی ہے۔ وہ اس کے خلاف اسی کا اسلحہ استعمال کر رہی تھی.......... یعنی خواہش!

ذہین اختر نے اپنے دفتر کو پھیلا لیا تھا۔ وہاں کھانا پکانے کا اہتمام بھی کر لیا تھا۔ اس سے ایک طرف تو ہوٹل کے کھانے سے نجات مل گئی تھی دوسرے اسٹاف خوش ہو گیا تھا۔ انہیں ایک سہولت میسر آ گئی تھی جو ایک اعتبار سے تنخواہ میں اضافے کے برابر تھی۔

ایک روز گیارہ بجے ذہین اختر کو کاریڈور میں اپنا باورچی حمید نظر آیا۔ وہ بے فکری سے ہاتھ جھلاتے ہوئے جا رہا تھا۔ "کیا بات ہے یوں بے فکر پھر رہے ہو۔ آج کھانا نہیں پکے گا؟"

"کیوں نہیں صاحب۔ ابھی بہت وقت ہے۔ ایک بجے کھانا تیار ہو گا۔" حمید نے جواب دیا۔

ذہین اختر اپنے کمرے میں چلا آیا۔ کوئی دس منٹ بعد حمید ہانپتا کانپتا اس کے پاس آیا۔ "صاحب بڑی گڑبڑ ہو گئی۔ چولہا نہیں جل رہا ہے۔" اس نے فریاد کی۔

ذہین اختر کو غصہ آ گیا۔ "تو اس کے لیے میرے پاس کیوں دوڑے آئے ہو۔ گیس کی سپلائی رک گئی ہو گی۔"

"صرف ہماری گیس بند ہوئی ہے صاب۔"

"تو کسی گیس کا کام کرنے والے کو بلا کر لاؤ۔"

ایک گھنٹے بعد حمید دوبارہ آیا۔ "صاحب عجیب معاملہ ہے۔" اس نے کہا۔ "گیس والے نے پوری لائن چیک کر لی۔ چولہے چیک کر لیے کہیں کوئی رکاوٹ نہیں۔ لائن میں گیس بھی موجود ہے۔"

"تو پھر مسئلہ کیا ہے۔ چولہا جلا لو۔"

"یہی تو مسئلہ ہے صاحب کہ چولہا نہیں جل رہا ہے۔"

"تم کسی اناڑی کو پکڑ لائے ہو گے۔" ذہین اختر نے بے پروائی سے کہا۔

"نہیں صاحب وہ تو خاص..........."

"اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ کسی دوسرے آدمی کو لا کر چولہا چیک کروا لو۔"

حمید چلا گیا۔ اس کے بعد ایک ذہین اختر نے دین محمد کو کھانے کا پوچھنے کے لیے بھیجا۔ دین محمد نے آ کر بتایا کہ کھانا نہیں پکا ہے۔ گیس جاری کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ ذہین اختر جھنجلا گیا۔ بھوک سے اس کا برا حال ہو رہا تھا۔ "تو کھانے کا کچھ تو بندوبست کرو۔"

"کیا کروں سر؟" دین محمد نے پوچھا۔

"تمہاری سمجھ میں نہیں آتا۔" ذہین اختر نے بھنا کر کہا۔ "ہمارے چولہے نہیں جل رہے تو شہر کے سارے ریسٹورنٹ بند ہو گئے ہیں؟"

"ابھی جاتا ہوں سر۔"

ذہین اختر کو امید تھی کہ دین محمد دس پندرہ منٹ میں کھانا لے آئے گا۔ ایک اچھا ریسٹورنٹ قریب ہی تھا لیکن آدھا گھنٹہ ہو گیا اور وہ نہ آیا تو ذہین کا برا حال ہو گیا۔ اس نے باہر نکل کر روبینہ سے پوچھا تو پتہ چلا کہ دین محمد نہیں آیا ہے۔ وہ پھر اپنے کمرے میں چلا آیا اور کرسی پر بیٹھ کر پہلو بدلنے لگا۔ اس کی نظریں دیواری گھڑی پر جمی تھیں۔

دین محمد سوا دو بجے واپس آیا تو خالی ہاتھ تھا۔ "شہر کے تمام ریسٹورنٹ بند ہیں سر۔"

"کیا بکواس کر رہا ہے؟" ذہین اختر دہاڑا۔

"ٹھیک کہہ رہا ہوں سر۔ بڑے ہوٹلوں تک کے ریسٹورنٹ بند ہیں۔ میں بہت دور تک ہو آیا ہوں۔" دین محمد نے بے بسی سے کہا۔

ذہین اختر کو یاد تھا کہ گھر سے آتے وقت اس نے کئی ریسٹورنٹ کھلے دیکھے تھے۔ دفتر کے قریب ہی جتنے ریسٹورنٹ تھے سب کھلے ہوئے تھے۔ "صبح میں نے تمام ریسٹورنٹ کھلے دیکھے ہیں۔" اس نے کہا۔

"وہ تو میں نے بھی دیکھے تھے سر لیکن اب سب بند ہیں کہتے ہیں ایک بج کر دس

منٹ پر سب بند ہو گئے۔"

"لیکن کیوں؟"

"وجہ کسی کو بھی نہیں معلوم سر۔"

دین محمد کو کمرے سے نکال کر ذہین اختر کڑھتا رہا۔ یہ ہو کیا رہا ہے آخر۔ گیس بند ہو گئی تمام ریسٹورنٹ بند ہو گئے۔ بھوک نے اس کی ذہانت کو چوپٹ کر دیا تھا۔ پھر بھی یہ بڑی بات تھی کہ وجہ اس کی سمجھ میں آ گئی۔

اب بھوک مٹانے کی ایک ہی صورت تھی۔ کھانا خریدنے کی بجائے ڈائریکٹ کھانا کھانے کی خواہش کرنا لیکن وہ یہ کام نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر اس کے کمرے میں کھانا بغیر کسی وسیلے کے آتا تو اسے جادوگر قرار دے دیا جاتا۔ یہ مناسب نہیں تھا۔

لیکن پندرہ منٹ میں اس نے اپنی احتیاط پسندی کو دھکیل دیا۔ ہاں وہ یہ کر سکتا تھا کہ کھانا صرف اپنے لیے طلب کرے۔ باقی لوگ اپنا معاملہ آپ سنبھالیں۔ اس نے اپنے لیے کھانے کی خواہش کی۔

پیٹ کا دوزخ بھرنے کے بعد اس کے دماغ نے کام کرنا شروع کیا۔ دیوی کو بلا کر اس سے گفتگو کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

☆-----------○-----------☆

دیوی کو اس نے اپنے گھر میں طلب کیا۔ خلاف معمول اس بار دیوی فوراً ہی آ گئی۔ "کیا حکم ہے میرے آقا؟" اس نے سر کو خم کرتے ہوئے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔ "کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہیں۔"

"یہ تم کیا کر رہی ہو میرے ساتھ!" ذہین اختر نے سخت لہجے میں کہا۔

"میں نے پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ اب جنگ شروع ہو رہی ہے۔" دیوی نے بے حد شیریں لہجے میں کہا۔ "اور میں تمہارے ساتھ کچھ بھی نہیں کر رہی ہوں بس اپنا کام نہایت مستعدی سے کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ چاہتی ہوں کہ تمہاری زبان سے کوئی لفظ نکلے تو اسے خواہش کی طرح پورا کردوں۔ بلکہ میں تو تمہاری سوچ کو خواہش کا

درجہ دینے کی کوشش کروں گی۔"

"یہ زیادتی ہے۔ خواہش کا مفہوم بالکل مختلف ہے۔" ذہین نے احتجاج کیا۔

"خواہشات کی ذخیرہ اندوزی کرنے والے کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"میں احتجاج کرتا.........."

"نہیں احتجاج کا حق صرف خواہش کا حق ہے۔" دیوی نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں تمہیں خبردار کر رہی ہوں کہ اب سوچ سمجھ کر بات منہ سے نکالا کرو۔ بلکہ سوچا بھی احتیاط سے کرو۔"

ذہین اختر چند لمحے سوچتا رہا۔ وہ جان گیا تھا کہ صلح کی کوئی صورت نہیں۔ اور ایسا ہے تو جنگ ہی سہی۔ اب وہ بھی دیوی کو ستانے کی کوشش کرے گا۔ "مجھے تمہارا چیلنج منظور ہے۔" اس نے کہا۔

"اب میں جاؤں؟"

"نہیں ایک کام ہے مجھے تم سے۔ میرے دفتر کی گیس اب جاری ہونا چاہیے۔"

"مجھے افسوس ہے۔ یہ ممکن نہیں۔"

"کیسے ممکن نہیں۔ یہ میری خواہش ہے۔" ذہین اختر نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

"افسوس میں اس کے ممکن نہ ہونے پر نہیں کر رہی تھی۔ مجھے افسوس اس پر ہے کہ اس خواہش کی وجہ سے میں تمہیں ایک اہم ضابطہ بتانے پر مجبور ہو گئی ہوں جو تمہیں معلوم نہ ہوتا تو تمہیں بہت نقصان پہنچ سکتا تھا۔"

"کیا مطلب؟ کس ضابطے کی بات کر رہی ہو؟" ذہین اختر نے سراسیمہ ہو کر پوچھا۔

"ضابطہ یہ ہے کہ تم ایک خواہش کرنے کے بعد اس سے متصادم کوئی خواہش کرو گے یا اس کی نفی کرنا چاہو گے تو تمہاری خواہش پوری نہیں ہو گی لیکن شمار کر لی جائے گی۔"

یہ ذہین اختر کے لیے بہت بڑا دھچکا تھا تاہم اس نے سنبھلتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے یہ مخدوش صورت حال ہے۔ لہٰذا تم میرے اکاؤنٹ میں دس ہزار خواہشیں اور جمع کرا

دو۔"

"ہو گئیں۔" دیوی نے کہا۔ "فکر مت کرو۔ خواہشیں تو تمہاری ہزاروں رہ جائیں گی البتہ تم خواہش کرنے کے قابل نہیں رہو گے۔ اب میں جاؤں؟"

"اتنی جلدی بھی کیا ہے؟" ذہین اختر نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "بہت تھک گیا ہوں۔ ذرا میرے پاؤں دبا دو۔"

دیوی فاتحانہ انداز میں مسکرائی۔ "تمہاری یہ خواہش شمار ہو گئی لیکن پوری نہیں کی جا سکتی۔ جسمانی طور پر تمہارا مجھ پر کوئی اختیار نہیں۔ یہ کام ان عورتوں سے لو جنہیں تم خواہش کے زور پر جسمانی آسودگی کے لیے طلب کرتے ہو۔ اللہ کا شکر کہ اس نے مجھے تمہارے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا۔"

"دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" ذہین اختر نے چیخ کر کہا۔ دیوی نے فوراً تعمیل کر ڈالی۔

☆----------○----------☆

نذیر چوہدری بہت خوش تھا کہ اس نے موت کو شکست دے دی ہے!

اب تک وہ خواہش کارپوریشن کو ایک ایک لاکھ روپے کے چار چیک بھجوا چکا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ ڈاکٹروں کی دی ہوئی مہلت گزارنے کے بعد مزید تین ماہ جی چکا تھا۔ ڈاکٹر حیران تھے۔ اس بار انہوں نے اس سے کچھ چھپانے کی زحمت نہیں کی تھی۔ انہوں نے اسے صاف صاف بتا دیا تھا کہ اب اس کی ہر سانس معجزہ ہے۔ اس لیے کہ وہ شفایاب نہیں ہوا ہے بلکہ دراصل اس کی بیماری بڑھتی جا رہی ہے۔ سرطان جو اس کے وجود میں اپنے پنجے گاڑے ہوئے ہے اب پھیل رہا ہے اور اس کے پھیلنے کی رفتار بہت تیز ہے۔

اس وقت نذیر چوہدری کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوئی۔ وہ زندہ رہنا چاہتا تھا مرنا نہیں چاہتا تھا۔ اور اس کی یہ خواہش پوری ہو گئی تھی اس کے لیے یہی بہت تھا۔

لیکن اور دو ماہ گزرے تو اس کا احساس فتح ہوا ہو گیا۔ اس کی اذیت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا' وہ ناقابل برداشت اذیت تھی۔ وہ ذبح ہوتے ہوئے جانوروں کی طرح

چنگھاڑتا تھا۔ پہلے جب تکلیف ہوتی تھی اور حد سے گزرنے لگتی تھی تو بے ہوشی اپنی مہربان بانہوں میں اسے بھر لیتی تھی لیکن اب ایسا نہیں ہوتا تھا۔

ایک ماہ میں اسے اندازہ ہوگیا کہ یہ اذیت موت کی اذیت سے بڑھ کر ہے۔ اس نے اتنی اذیت اٹھائی کہ موت کا مفہوم اس کی سمجھ آنے لگا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں آئی کہ موت دنیا کی تمام تکلیفوں سے چھٹکارے اور نجات کا نام ہے۔ یہ الگ بات کہ زندگی سے اس کی محبت پھر بھی کم نہیں ہوئی۔

اس نے پھر ذہین اختر کو فون کیا۔ رابطہ ملنے پر اس نے کہا۔ "سنو میں بڑی اذیت میں ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ مجھے تکلیف نہ ہو۔ میں بیماری سے نجات چاہتا ہوں۔"

"دیکھیے میں کوشش............"

"کوشش نہیں اسی وقت خواہش کرو۔" نذیر چوہدری نے کہا۔ "میں تمہارے تصور سے بڑھ کر معاوضہ دوں گا۔"

لائن پر خاموشی چھاگئی۔

☆-----------○-----------☆

اپنے دفتر میں ذہین اختر نے نذیر چوہدری کی مطلوبہ خواہش کی۔ اگلے ہی لمحے دیوی اس کے روبرو تھی۔ اس کے ہونٹوں پر تمسخرانہ مسکراہٹ تھی۔

"تم؟ میں نے تمہیں بلایا تو نہیں تھا۔" ذہین اختر نے تیوریاں چڑھاتے ہوئے کہا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ اس کے دفتر میں آئی تھی۔ ذہین اختر کو یہ بات پسند نہیں آئی۔

"میں یہ بتانے آئی ہوں کہ یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ سرطان ہوگا تو اذیت بھی ہوگی۔ سرطان کے ہوتے ہوئے اذیت سے تحفظ طلب کرنا غیر فطری بات ہے۔" دیوی نے کہا۔

"تو میں سرطان سے شفایابی کی خواہش بھی تو کر رہا ہوں۔"

"یہ خواہش بھی پوری نہیں ہو سکتی۔" دیوی مسکرائی۔

"کیوں پوری نہیں ہو سکتی؟"

"اس لیے کہ تم پہلے ہی اس سے بڑی خواہش کر چکے ہو۔ یعنی موت کے ملنے کی خواہش اور وہ خواہش پوری ہو چکی ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" ذہین اختر نے اعتراض کیا۔

"فرق یہ پڑتا ہے کہ تمہاری یہ خواہش پوری ہوتے ہی یہ باب مکمل ہوگیا۔ یہ اس سلسلے کی آخری خواہش ہے۔ اب اس سلسلے میں کوئی خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔ جس شخص نے نہ مرنے کی خواہش کر لی اسے نہ مرض سے شفا مل سکتی ہے نہ اذیت سے نجات۔ نجات کا راستہ تو اس نے خود بند کر دیا۔"

ذہین اختر کے جسم میں تھرتھری دوڑ گئی۔ وہ گنگ ہو کر رہ گیا۔ اس سے کچھ بولا نہیں گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر یہ خواہش خود اس نے کی ہوتی تو اس کا کیا حشر ہوتا۔ یہ سوچ کر وہ پھر کانپ کر رہ گیا۔ خواہش پوری ہونے کی طاقت اتنا بڑا عذاب بھی ہو سکتی ہے یہ تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

دیوی اسے بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ "سوال یہ ہے کہ اس بدنصیب شخص نے نہ مرنے کی خواہش کی بجائے شفایابی کی خواہش کیوں نہ کی؟"

ذہین اختر کا منہ کھل گیا۔ یہ تو اس نے بھی نہیں سوچا تھا۔ واقعی.........

"اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے معاملات میں مداخلت کی سزا کے طور پر اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہونے ہی نہیں دی۔" دیوی نے خود ہی اپنے سوال کا جواب دیا۔ "اور تم!" پھر اس نے ذہین اختر کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے حقارت سے کہا۔ "تم نعوذ باللہ خدا بن بیٹھے اپنے تئیں۔ تم اس کی طاقت سے واقف نہیں تھے! تمہاری خواہش پوری ہونے کی عطا اس کی ہے۔ جس کے حکم کے بغیر پتہ بھی نہیں ہلتا۔ وہ جہاں تک چاہے گا تمہاری رسی کو ڈھیلا چھوڑے گا اور جب چاہے گا کھینچ لے گا۔ تمہاری سب چالاکی دھری رہ جائے گی۔"

دیوی اوجھل ہوگئی۔ ذہین اختر چند منٹ دونوں ہاتھوں میں سر تھامے بیٹھا رہا۔ پھر

اس نے میز پر رکھا ہوا ریسیور اٹھایا اور ماؤتھ پیس میں کہا۔ "ہیلو؟"

"ہاں میں لائن پر موجود ہوں۔" دوسری طرف سے نذیر چوہدری نے کہا۔

"سوری سر۔ میں آپ کی مزید مدد نہیں کر سکتا۔" ذہین اختر نے مرے مرے لہجے میں کہا۔ "آپ کو اذیت سے نجات نہیں مل سکتی۔ بلکہ مجھے ڈر ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ بھی ہوتا رہے گا۔ میں بے حد معذرت خواہ ہوں جناب۔"

دوسری طرف چند لمحے خاموشی رہی۔ نذیر چوہدری بھی کانپ کر رہ گیا تھا پھر اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔"

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ میں آپ کو کیسے سمجھاؤں۔ میں چاہتا ہوں لیکن آپ کی مدد نہیں کر سکتا۔"

"میں منہ مانگا معاوضہ.........."

"خدا کی قسم چوہدری صاحب' یہ کام تو میں معاوضے کے بغیر کر دیتا لیکن یہ ممکن نہیں ہے۔"

"تو پھر میرا کیا ہو گا؟" نذیر چوہدری بڑبڑایا۔

"یہ تصور ہی میرے لیے روح فرسا ہے چوہدری صاحب۔"

"تو پھر خدا کے لیے میرا ایک اور کام کر دو۔" نذیر چوہدری اب فون پر گڑگڑا رہا تھا۔ "تم میرے لیے موت کی خواہش ہی کر دو۔"

ذہین اختر نے گہری سانس لی۔ "چوہدری صاحب' خدا گواہ کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں جو کچھ کہہ رہا ہوں پوری سچائی سے کہہ رہا ہوں۔ میں نے عہد کیا تھا کہ میں کبھی کسی کی موت کی خواہش نہیں کروں گا لیکن آپ کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر یہ ممکن ہوتا تو میں اپنا یہ اصول توڑ دیتا لیکن مجھ پر پابندی ہے اپنی کسی خواہش کو پورا ہونے کے بعد رد نہیں کر سکتا۔"

نذیر چوہدری دردناک آواز میں رونے لگا۔ "اب میں کیا کروں؟"

ذہین اختر بہت تیزی سے کچھ سوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دیوی کی باتیں اسے یاد آ

رہی تھیں اور بہت کچھ سمجھ میں آ رہا تھا۔ آخر کار اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "چوہدری صاحب پلیز......... پلیز میری بات غور سے سنیں۔"

دوسری طرف نذیر چوہدری روئے جا رہا تھا۔ اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

"چوہدری صاحب پلیز۔"

لیکن نذیر چوہدری اپنے آپ میں نہیں تھا۔

آخر ذہین اختر کو بے رحمی آزمانا پڑی۔ "چوہدری صاحب' اگر آپ نہیں سننا چاہتے تو میں ریسیور رکھ رہا ہوں۔"

نذیر چوہدری نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔ "نہیں......... خدا کے لیے......... ایسا نہ کرنا۔" اس نے ہچکیوں کے درمیان کہا۔

"تو سنئے اگرچہ میں آپ کی مدد نہیں کر سکتا لیکن آپ کو مشورہ دے سکتا ہوں۔ جو میرے خیال میں آپ کے مسئلے کا واحد حل ہے۔ آپ سن رہے ہیں نا؟"

نذیر چوہدری کی ہچکیاں تھم گئی تھیں۔ "میں سن رہا ہوں بیٹے۔" اس نے نحیف آواز میں کہا۔

"آپ کثرت سے استغفار کریں۔ اللہ سے توبہ کریں اور سنیں۔ آج کل یہاں سے لوگ بکثرت حج کرنے جا رہے ہیں۔ آپ جتنے لوگوں سے کہہ سکیں دعا کے لیے کہیں۔ وہاں کی دعا فوراً ہی قبول ہو جاتی ہے۔ اتنے بہت سے لوگ دعا کریں گے تو انشاء اللہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔" ذہین اختر کہتے کہتے رکا۔ "میرے خیال میں یہ فیصلہ کرنا آپ کے لیے دشوار نہیں کہ آپ کو کیا دعا کرانی ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔ تمہارا شکریہ بیٹے۔"

"میں آپ سے بے حد شرمندہ ہوں چوہدری صاحب۔"

"تمہارا اس میں کوئی قصور نہیں بیٹے۔ خدا حافظ۔"

ریسیور رکھنے کے بعد ذہین اختر دیر تک دونوں ہاتھوں میں سر تھامے بیٹھا رہا۔

☆---------O---------☆

ایسے خوفناک دباؤ کا سامنا تو ذہین اختر نے کڑے وقت میں بھی نہیں کیا تھا جبکہ یہ تو اس کا اچھا وقت تھا۔ پہلی بار اسے اندازہ ہوا کہ اپنی زبان پر قابو رکھنا کتنا مشکل کام ہے۔ تمام تر احتیاط کے باوجود زبان سے کوئی بات نکل ہی جاتی اور اسے بھگتنا پڑتا۔ سوچ والا معاملہ تو ناممکن اور بے حد اذیت ناک تھا لیکن اسے محسوس ہوتا تھا کہ سوچ والے معاملے میں اس کے ساتھ قدرے نرمی برتی جا رہی ہے۔

دو ماہ کے اندر اس کا حشر برا ہو گیا۔ وہ بہت کم سخن ہو گیا۔ کم سخن کیا' درحقیقت وہ بولنے سے ڈرنے لگا تھا۔ اب یہ اور بات کہ بولے بغیر گزارا بھی نہیں۔ اس کے ساتھ عجیب عجیب واقعات ہوئے۔ ایک بار کسی نے فون پر اسے سنسنی خیز خبر سنائی تو اس نے بے ساختہ کہا۔ "یہ کیا خبر سنا دی۔ اب میں رات بھر سو نہیں سکوں گا۔" یہ کتنا غضب ہو گیا۔ اس کی وہ پوری رات کروٹیں بدلتے گزری۔ نیند کی ہر دوا بے اثر ہو گئی بلکہ الٹا اسے نقصان ہی ہوا ہو گا۔ صبح ہوتے ہوتے ایک اور خیال نے اسے دہلا دیا۔ اس نے سوچا اگر میرے منہ سے یہ جملہ نکلا ہوتا کہ اب میں جانے کتنی راتیں سو نہیں سکوں گا یا اب میں عمر بھر سو نہیں سکوں گا تو میرا کیا حشر ہوتا۔ اس تصور سے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے کیونکہ ضابطے کے تحت وہ اپنی کی ہوئی خواہش کو رد نہیں کر سکتا تھا۔ یعنی وہ اپنے لیے نیند کی خواہش کرتا تو وہ بے کار ہوتی۔

وہ نفسیاتی مریض بن کر رہ گیا۔ اعصاب زدہ رہنے لگا۔ اس کی اس تبدیلی کو دوسروں نے بھی محسوس کر لیا۔ اسے نیند ٹھیک سے نہیں آتی تھی کچھ کہتے کہتے وہ رک جاتا اور ہونٹ سختی سے بھینچ لیتا۔ اس کی صحت متاثر ہونے لگی۔ آنکھوں کے نیچے حلقے پڑ گئے۔ وہ چڑچڑا بھی ہو گیا۔

پھر ایک دن اس کے شکستہ اعصاب پر ایک اور بم پھٹا۔ روبینہ نے اسے بتایا کہ اولاد کی خواہش والے احسان علی فون پر اس سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ ذہین اختر کو یاد تھا کہ احسان علی سے پہلی ملاقات کو تقریباً ساڑھے نو ماہ ہو چکے ہیں۔

چنانچہ اس نے علیک سلیک کے بعد چہک کر کہا۔ "احسان صاحب کیا میں مبارکباد

پیش کروں؟"

"ضرور کیوں نہیں۔" دوسری طرف سے سیٹھ احسان نے کہا لیکن ان کی آواز بجھی بجھی سی تھی۔

"بیٹا ہوا ہے یا بیٹی؟"

"بیٹا ہوا ہے ذہین صاحب۔"

"تب تو مٹھائی........."

"مٹھائی میں انشاء اللہ خود لے کر حاضر ہوں گا۔" سیٹھ احسان نے کہا۔ "لیکن میں آپ کو ایک اور بات بتانا چاہتا ہوں۔"

"جی فرمایئے۔"

"میرے بیٹے کے ہاتھ پاؤں مڑے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ وہ بینائی اور سماعت سے بھی محروم ہے اور ساری زندگی بول بھی نہیں سکے گا۔"

ذہین اختر گنگ ہو کر رہ گیا۔ شاک ایسا شدید تھا کہ اسے اپنا پورا جسم سن ہوتا محسوس ہوا۔ لائن پر دیر تک خاموشی رہی۔ پھر ذہین اختر نے بہت ہمت کر کے بڑی مشکل سے کہا۔ "میں آپ کو بتا نہیں سکتا احسان صاحب کہ مجھے کس قدر افسوس........."

"نہیں ذہین صاحب خوشی کے موقع پر اظہار افسوس نہیں کرتے۔ یوں تو آپ میری دل آزاری کریں گے۔"

"احسان صاحب میں آپ سے بے حد شرمندہ ہوں۔"

"آپ کیا قصور ہے ذہین صاحب خدارا یہ نہ سمجھیں کہ مجھے آپ سے کوئی شکایت ہے۔ میں تو آپ کا احسان مند ہوں اور میرا یہ بچہ میرے لیے بہت مبارک ہے۔ اس کی وجہ سے میں نے زندگی کے آئینے میں اپنا اصل چہرہ دیکھ لیا اور مجھے خود کو درست کرنے کا موقع مل گیا۔"

ذہین اختر اپنے ضمیر پر بوجھ محسوس کر رہا تھا۔ اس نے احسان علی کے صاحب اولاد ہونے کی خواہش کے عوض دس لاکھ لیے تھے اور دس لاکھ روپے دے کر احسان علی کو کیا

ملا تھا؟ ایک لنگڑا لولا' اندھا' گونگا بہرا بچہ۔ وہ اس کی تلافی کر سکتا تھا۔ "احسان علی صاحب' آپ بے فکر رہیں۔ انشاء اللہ اگلی بار مکمل اور صحت مند بچہ.........."

"نہیں ذہین صاحب اس کی ضرورت نہیں۔"

"میں نیا معاوضہ نہیں لوں گا۔ گذشتہ معاوضے میں ہی.........."

"آپ کیسی گھٹیا باتیں کر رہے ہیں ذہین صاحب۔" احسان علی کے لہجے میں درشتی آگئی۔ "آپ میری بات پوری توجہ سے سنیں۔ ممکن ہے میرا کوئی لفظ آپ کے باطن میں انقلاب کا باعث بن جائے۔ جیسے اس بچے نے میرے لیے اپنی اصلاح کا موقع فراہم کیا ہے۔ ذہین صاحب' ہم دونوں میاں بیوی بچے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے لیکن ہم نے پیسے کے گھمنڈ میں فطرت کو چیلنج کیا۔ آپ سے مدد لی۔ اللہ پاک کتنا رحیم و کریم ہے کہ اس نے ہم جیسے مغرور گناہ گاروں کو بھی اپنے در سے خالی نہیں لوٹایا۔ اس نے ہماری خالی جھولی میں وہ سچا موتی ڈال دیا۔ ورنہ آپ کی طاقت نہیں تھی کہ ہماری خواہش پوری کر سکتے اور اللہ کتنا بے نیاز ہے کہ اس نے وہ آس بھی پوری کر دی جو ہم نے اس سے نہیں لگائی۔ آپ سے لگائی تھی۔" احسان علی کی آواز بھرا گئی۔ وہ یقیناً رو رہا تھا۔ "ذہین صاحب' یہ بیٹا میرے لیے اللہ کی طرف سے دنیا کا سب سے قیمتی تحفہ ہے۔ وہ معذور ہے تو کیا ہوا۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم تو اس کے بھی مستحق نہیں تھے۔ ہمیں تو ہمارے مقدر سے' ہماری طلب سے بھی سوا ملا ہے۔ میں آپ کو نہیں بتا سکتا کہ مجھے اور میری بیوی کو اس سے کیسی محبت ہوئی ہے۔ وہ کوئی لے پالک نہیں۔ ہمارا خون ہے۔ ہماری اپنی اولاد ہے۔ ہم زندگی بھر اللہ کے اس تحفے کی خدمت کریں گے۔ ہم اب کوئی آرزو نہیں کریں گے اس لیے کہ اب ہم مرتے دم تک اللہ کی اس عنایت پر اس کا شکر ادا کرتے رہیں تو بھی حق ادا نہیں کر سکتے۔ ہمیں اب اور کچھ نہیں چاہیے۔ اچھا ذہین صاحب کل مٹھائی لے کر حاضر ہوں گا۔"

ریسیور رکھنے کے بعد ذہین اختر دیر تک بیٹھا خلاؤں میں گھورتا رہا۔ اس رات اس سے کھانا بھی نہیں کھایا گیا۔ اسے دیوی پر غصہ آ رہا تھا۔ یہ گڑبڑ اسی کی پھیلائی ہوئی تھی۔

☆------------○------------☆

وہ خواہش کارپوریشن کے قیام کی پہلی سالگرہ تھی۔ یہ طے پایا تھا کہ شام کو سالگرہ کا کیک کاٹنے کے بعد وہ سب لوگ دفتر میں ہی رہیں گے۔ ان کے خصوصی بونس کی ادائیگی کی جائے گی اور پھر رات کا کھانا ساتھ کھانے کے بعد وہ لوگ گھر واپس جائیں گے۔ اگلے روز چھٹی ہوگی۔

سب لوگ بہت خوش تھے۔ بونس کا خیال بے حد خوش کن تھا۔ سب اس ادھیڑ بن میں تھے کہ کون سی دو خواہشیں کریں۔

سالگرہ کا کیک ذہین اختر نے کاٹا۔ اس کے فوراً بعد اس کی ہدایت کے مطابق سب لوگوں نے اپنی اپنی خواہشیں ایک کاغذ پر لکھ لفافے میں بند کیں اور لفافے اسے سونپ دیئے۔ کیک سے نمٹ کر ذہین اختر نے وہ سب لفافے سمیٹے اور انہیں لے کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

وہ ایک ایک کر کے لفافے کھولتا گیا اور بیان کردہ خواہشوں کے پوری ہونے کی خواہش کرتا گیا۔ درازیِ عمر' صحت' جائداد' مکان' محبت' اولاد۔ ایک لفافہ کھول کر وہ ٹھٹک گیا۔ وہ ایک بالکل مختلف خواہش تھی۔ سر میری خواہش ہے کہ جب بھی میں چاہوں' میری دو خواہشیں پوری ہو جائیں۔ اس کے نیچے نام دیکھا۔ روبینہ۔ اس نے یہ خواہش بھی پوری کرنے کی خواہش کر دی۔

اس کام سے نمٹ کر وہ باہر آگیا۔ باہر خوشیوں سے دمکتے' جانے پہچانے چہروں کا ہجوم تھا۔ آنکھوں میں امید کی چمک اور ہونٹوں پر زندگی سے چھلکتی مسکراہٹیں تھیں۔

"کیپٹن نوشاد' آپ کی ایک خواہش تو فوری طور پر پوری ہو گئی نا؟" اس نے ایجنسی کے منیجر سے پوچھا۔

"جی ہاں جناب۔" کیپٹن نوشاد نے جواب دیا۔

"تو کنجوسی کیوں کرتے ہیں۔ اپنے ساتھیوں کو بتائیں تاکہ یہ زیادہ مطمئن ہو جائیں۔ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ کہیں یہ فراڈ تو نہیں۔"

نوشاد کے کچھ کہنے سے پہلے ہی سب لوگ بیک آواز بولے۔ "اس کی ضرورت نہیں سر۔ ہمیں پہلے ہی سے یقین ہے۔"

پھر بھی ذہین اختر نے دیکھا کہ ساتھیوں میں ایک کی خواہش پوری ہونے کی خبر سن کر چہروں پر خوشی کی دمک، آنکھوں میں امید کی چمک اور ہونٹوں پر موجود مسکراہٹوں سے چھلکتی زندگی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

اس نے اسٹاف کا بھرپور شکریہ ادا کرتے ہوئے تقریب کے ختم ہونے کا اعلان کیا۔ "کل آپ لوگ چھٹی منائیں انشاء اللہ پرسوں ملاقات ہو گی۔"

☆-------------○-------------☆

روبینہ اس رات ٹھیک سے سو نہیں سکی۔ تقریب کے دوران جن لوگوں نے اپنی خواہشات کے پورے ہونے پر یقین کا اعلان کیا تھا وہ ان میں شامل نہیں تھی۔ ایک تو یہ کہ اس کی خواہش مختلف تھی۔ وہ اپنی خواہش کسی پر بھی ظاہر نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔ ذہین اختر پر بھی نہیں۔ دوسرے وہ محسوس کرنا چاہتی تھی کہ یہ طاقت ملنے پر آدمی کی کیا کیفیات ہوتی ہیں۔ اسی لیے اس نے خواہش کی تھی کہ اسے آزادانہ اور براہ راست اپنی دو خواہشیں پوری کرنے کا موقع ملے اور اپنے کمرے سے باہر آنے کے بعد ذہین اختر نے جن معنی خیز نگاہوں سے اسے دیکھا تھا اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اسے یہ طاقت مل گئی ہے۔

درحقیقت روبینہ کو دو خواہشوں کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کی تو بس ایک ہی خواہش تھی جس کے بعد اسے زندگی میں کوئی طلب نہ رہتی۔ گھر آکر اپنے بند کمرے میں بستر پر نیم دراز ہو کر اس نے خدا کے حضور بڑے خلوص سے گڑگڑا کر بے حد محتاط لفظوں میں اپنی طلب کا اظہار کیا تھا اور اپنی خواہش کی تکمیل کی دعا کی تھی۔ خواہش کا اظہار کرنے کے فوراً بعد سے انتظار کا مرحلہ شروع ہو گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ٹھیک سے سو بھی نہ سکی۔

وہ چاہتی تو انتظار کے اس مرحلے سے اور شک و یقین کے درمیان معلق رہنے کی کیفیت سے بچ سکتی تھی۔ بہت آسان تھا کہ وہ اپنی خواہش کی فوری تکمیل کی خواہش کر لے لیکن وہ عورت تھی۔ خالص عورت جو بہت محتاط اور دور اندیش ہوتی ہے۔ کفایت شعار ہوتی ہے۔ اسے صرف خواہش کے پورا ہونے سے غرض نہیں تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اس کی خواہش بے حد فطری انداز میں پوری ہو۔ کوئی یہ نہ محسوس کر سکے کہ یہ کام خواہش کے زور پر ہوا ہے اسے اپنی خواہش پوری کرنا تھی کوئی طاقت کا اظہار تھوڑا ہی کرنا تھا۔

آدھی رات کے بعد سونے کی کوشش میں بستر پر کروٹیں بدلتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی کہ یہ انتظار بہت طویل ہے۔ اس کی خواہش کے مطابق اس کا کام اگلے روز ہونا تھا اور صبح سے وہ اگلا دن شروع ہو کر آدھی رات تک رہتا۔ یہ بے حد طویل انتظار تھا۔

جیسے تیسے صبح تو ہو گئی۔ وہ اٹھی اور ناشتا بنانے میں مصروف ہو گئی مگر اس کا دل کسی کام میں نہیں لگ رہا تھا۔

☆-------------○-------------☆

ذہین اختر کو اس رات خلاف معمول بہت اچھی اور بہت گہری نیند آئی۔ صبح وہ بہت دیر سے جاگا۔ دیوی سے جنگ شروع ہونے کے بعد اب تک اسے اتنی اچھی نیند نہیں آئی تھی۔ فطری طور پر اس نے اس سلسلے میں غور کیا۔ اس کی سمجھ میں یہی بات آئی کہ اس کا سبب وہ طمانیت تھی جو اسے گذشتہ روز حاصل ہوئی تھی اور اس کا سبب یہ تھا کہ اس نے رب کریم کی عنایت میں بغیر کسی غرض اور لالچ کے دوسروں کو حصہ دار بنایا تھا۔

باتھ روم میں اسے ایک اور خیال آیا۔ شاید طمانیت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس رات اس نے اپنی تنہائی دور کرنے کا سامان نہیں کیا۔ اس کے ساتھ ہی اسے یہ احساس بھی ہوا کہ وہ بے حد غیر فطری زندگی گزار رہا ہے۔ شادی کرنا اس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں پھر بھی وہ شادی کر کے تنہائی کا مستقل علاج کرنے سے بچتا ہے۔

لیکن وہ شادی کیسے کرے؟ شادی تو ایک فطری چیز ہے اور اگر وہ عاقلہ سے شادی

کرے تو اس کے لیے اسے غیر فطری طریقے اختیار کرنا ہوں گے۔ باضابطہ خواہش کرنی ہوگی اور وہ اس بات کا عہد کر چکا تھا کہ ایسا نہیں کرے گا۔

مگر وہ کسی اور سے بھی تو شادی کر سکتا ہے۔ اس کے دل میں یہ خیال آیا۔ کس سے؟ ذہن میں اس سوال نے سر اٹھایا تو دل نے بے ساختہ جواب دیا۔ روبینہ سے۔ وہ بری طرح چونکا۔ اس نے شاور بند کیا اور تولیے سے جسم پونچھنے لگا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ دماغ الجھا۔ کیوں نہیں ہو سکتا۔ دل نے کہا۔ یہ شادی خواہش کے زور پر نہیں ہوگی۔ شرفاء کی طرح تم روبینہ کے گھر باقاعدہ رشتہ مانگنے کے لیے جاؤ گے لیکن کیا ضروری ہے کہ رشتہ طے ہو جائے؟ کون جانے روبینہ کسی اور کو پسند کرتی ہو!

وہ کپڑے پہن کر ناشتے کی میز پر آ بیٹھا۔ اگر ایسا ہوا تو روبینہ خود اس رشتے سے انکار کر دے گی۔ دل نے جواب دیا۔ تب تم کوئی اور لڑکی دیکھ لینا۔

ناشتے کے بعد بھی وہ اسی مسئلے پر غور کرتا رہا۔ اسے فکر تھی تو صرف اس بات کی کہ روبینہ شاید اسے پسند نہیں کرتی۔ ممکن ہے وہ کسی اور سے محبت کرتی ہو۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ خواہش پوری ہونے کی طاقت نے اسے نقصان بھی پہنچایا ہے۔ اسے انسانوں سے غرض نہیں رہی۔ لہٰذا وہ انہیں سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کرتا۔ وہ جو انسانوں کو سمجھنے والا تھا۔ انسانوں سے دور ہو گیا تھا۔ اسے سامنے کے لوگ اور سامنے کے لوگوں کے جذبے نظر نہیں آتے تھے۔ وہ روبینہ کو دیکھ کر بھی دیکھ نہیں سکا تھا۔

پورے دن وہ اسی الجھن میں گرفتار رہا لیکن دل کی خواہش بہت مضبوط تھی۔ آخر کار دل جیت گیا۔ وہ گھر سے نکل آیا۔

☆------------○------------☆

شام چھ بجے دروازے پر وہ دستک ہوئی جس کا روبینہ پورے دن انتظار کرتی رہی تھی لیکن دروازے کی طرف جاتے ہوئے بھی اسے یہ یقین نہیں تھا کہ یہ وہی ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ دروازہ کھولتے ہی وہ بت بن کر رہ گئی۔ "آپ؟ سر آپ.......... اور یہاں؟" اس کی حیرت نے ذہین اختر کو اور گڑبڑا دیا۔ "کیا مجھے اندر آنے کو نہیں کہو گی؟"

ذہین کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبا دیکھ کر روبینہ کو احساس ہونے لگا کہ اس کی خواہش پوری ہو گئی۔ "کیوں نہیں آیئے نا۔" اس نے دروازہ پوری طرح کھول دیا پھر وہ اسے کمرے میں لے گئی۔ "اماں دیکھیں تو کون آیا ہے۔" اس نے کہا۔ "ابا میں ان کے دفتر میں کام کرتی ہوں۔ یہ بہت اچھے انسان ہیں۔"

اس کی اماں اور ابا حیران بھی تھے۔ روبینہ نے کئی بار اس کا ذکر کیا تھا لیکن وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ کبھی ان کے گھر بھی آئے گا۔

ذہین اختر نے مٹھائی کا ڈبا روبینہ کے ابا کی طرف بڑھایا۔ وہ بے چارہ منہ سے کچھ بھی نہ کہہ سکا۔

اتنی دیر میں روبینہ نے جھاڑ پھونک کر ایک کرسی اس کے لیے صاف کر دی۔ "آپ بیٹھیے تو۔"

"میں یہاں بیٹھوں گا۔ تمہارے ابا کے پاس۔" ذہین اختر کرسی اٹھا کر اس کے معذور باپ کی چارپائی کے پاس لے آیا۔ "اور سنایئے کیسی طبیعت ہے آپ کی؟"

"معذوری کے علاوہ تو بالکل ٹھیک ہوں اور یہ اللہ کی مرضی ہے۔" روبینہ کے باپ نے کہا۔

ان لوگوں کے درمیان رسمی گفتگو اور ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر روبینہ نے کہا۔ "میں آپ کے لیے چائے بناتی ہوں۔"

"چائے تو میں ضرور پیوں گا۔" اب ذہین اختر اعتماد سے بات کر رہا تھا۔

روبینہ چائے کے لیے اٹھ کر جانے لگی تو باپ نے مٹھائی کا ڈبا بھی اسے دے دیا۔ اس کے جانے کے بعد ذہین اختر نے کہا۔ "جناب میں آپ کے پاس ایک غرض سے آیا ہوں۔ دنیا میں اکیلا نہ ہوتا تو میرے والدین آتے۔ میں روبینہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

روبینہ کے ماں باپ گنگ ہو کر رہ گئے۔ ان کے لیے تو اس کی آمد ہی دھماکا خیز تھی۔ اس پر یہ ایک اور دھماکا۔ وہ منہ کھولے اسے دیکھتے رہے۔ کوئی جواب نہ دے

سکے۔

ذہین اختر کو گھبراہٹ ہونے لگی۔ کیا یہ لوگ انکار کر دیں گے۔ "دیکھیں میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ روبینہ کو ہمیشہ خوش رکھوں گا اور آپ لوگوں کو والدین کا مقام دوں گا۔"

"لیکن بیٹا۔" آخرکار روبینہ کی ماں کی خاموشی ٹوٹی۔ "ہم بہت غریب لوگ ہیں۔"

"مجھے صرف روبینہ چاہیے۔ اللہ کا دیا میرے پاس سب کچھ ہے۔ آپ بس ہاں کر دیں۔"

"لیکن بیٹے' روبینہ سے بھی تو پوچھنا ہو گا۔" روبینہ کا باپ بولا۔

"امی ابھی پوچھ آئیں گی اس سے۔" ذہین اختر نے کہا۔ "دیکھیے میں ابھی جواب لے کر جاؤں گا۔ ہاں' روبینہ نے سوچنے کی مہلت مانگی تو یہ اور بات ہے۔"

میاں بیوی نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر روبینہ کے معذور باپ نے سر کو جنبش دی۔ ماں اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ چائے کی ٹرے اور مٹھائی کی پلیٹ لیے کمرے میں واپس آئی۔ ایک شکستہ سی میز قریب گھسیٹ کر اس نے ٹرے میز پر رکھ دی پھر مٹھائی کا ایک ٹکڑا اس نے اپنے ہاتھ سے ذہین اختر کے منہ میں ڈالا اور دوسرا اپنے شوہر کو دیا۔

"کیا کہا روبینہ نے؟" ذہین اختر نے بے تابی سے پوچھا۔

"جواب تو تمہیں مل چکا ہے بیٹے۔" روبینہ کی ماں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "روبینہ چائے لے کر نہیں آئی۔ وہ اب تم سے پردہ کرے گی۔ یہ اس کا جواب ہے اور میں نے اپنے ہاتھ سے تمہیں مٹھائی کھلائی۔ یہ ہم دونوں کا جواب ہے۔" اس نے اپنے شوہر کی طرف اشارہ کیا۔

ذہین اختر کی باچھیں کھل گئیں۔ "بس تو ٹھیک ہے اسی جمعے کو بارات آئے گی۔"

"اسی جمعے کو؟" روبینہ کے باپ کا منہ کھل گیا۔ "آج منگل ہے بیٹے۔"

"آپ کسی چیز کی فکر نہ کریں۔ کل کرنل اظہر یہاں آئیں گے۔ روبینہ انہیں جانتی ہے وہ سب انتظام کر دیں گے۔ آپ کو جو خریداری کرنی ہو' روبینہ کو ساتھ لے کر کرنل اظہر کے ساتھ چلی جائیے گا۔"

"لیکن بیٹے............"

"بس یہ طے ہو گیا امی۔ اب میں چلتا ہوں۔"

☆-----------○-----------☆

روبینہ کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کی خواہش اتنی آسانی اور عزت سے پوری ہو گئی ہے اور اب اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ بہت طاقتور ہے۔ اس کے پاس ایک خواہش کی قوت موجود تھی اور وہ دنیا کی ہر چیز طلب کر سکتی تھی۔ اس کی جگہ کوئی مرد ہوتا تو فوراً اس سے استفادہ کر لیتا لیکن وہ عورت تھی جو کفایت شعار ہوتی ہے اس نے اپنی خواہش کی طاقت کو آڑے وقتوں کے لیے بینت کر رکھ دیا۔

یہی کیا کم تھا کہ اس کے خواب کی تعبیر ملنے والی تھی۔

☆-----------○-----------☆

شادی کے چند روز بعد ہی ذہین اختر کو احساس ہو گیا کہ یہ شادی اس کی زندگی کا درست ترین فیصلہ ہے۔ روبینہ بہت اچھی لڑکی تھی۔ سب سے خوش کن بات یہ تھی کہ وہ اس سے بے پناہ محبت کرتی تھی۔ لگتا تھا اس کی زندگی کا مقصد ہی اسے خوش رکھنا ہے۔ وہ اس کی ہر ضرورت' ہر آسائش کا خیال رکھتی تھی۔ خود سے کبھی کوئی فرمائش نہیں کرتی تھی۔ دولت سے اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ذہین خود اس کے لیے کچھ لاتا تو وہ لڑتی کہ فضول خرچی کی کیا ضرورت ہے میرے پاس سبھی کچھ تو موجود ہے۔

خود ذہین میں بڑی تبدیلی آئی تھی۔ وہ بے حد نرم مزاج ہو گیا تھا۔ روبینہ کے ماں باپ ان کے ساتھ ہی رہ رہے تھے۔ وہ روز صبح و شام لازماً ان کے پاس بیٹھتا ان سے باتیں کرتا۔ ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھتا۔ گھر واپسی کے لیے ایک گھنٹہ پہلے سے اسے بے چینی شروع ہو جاتی تھی۔

کچھ دن بعد روبینہ نے کہا۔ "بس اب میری چھٹیاں ختم۔ میں اپنی جاب پر واپس آنا چاہتی ہوں۔"

"جاب تو تمہاری جاری ہے۔ اس کی نوعیت بدل گئی ہے۔"

"آپ کو نہیں معلوم کہ مجھے اپنی وہ جاب کتنی عزیز ہے۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ اس کی وجہ سے آپ مجھے ملے۔"

ذہین اختر اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ "لیکن تمہاری یہ جاب زیادہ اہم ہے' تمہیں گھر سنبھالنا ہے۔ امی اور ابا جان کا خیال رکھنا اور ان کی دل جوئی کرنا ہے۔"

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔"

"میں نے تمہاری جگہ کسی اور کو دے دی ہے۔" ذہین اختر اب بھی اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ "لیکن بے فکر رہو۔ وہ کوئی عورت نہیں کیپٹن محفوظ ہے۔"

روبینہ کا چہرہ تمتما اٹھا۔ "آپ غلط سمجھ رہے ہیں ذہین۔ میرے ذہن میں ایسا کوئی خیال نہیں تھا۔ میں اگر دفتر جانا چاہتی تھی تو صرف اس لیے کہ آپ سے تھوڑی دیر کے لیے دور رہنا بھی میرے لیے ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ دوسری بات آج پوری طرح واضح کر دوں۔ میں نے کبھی آپ پر قابض ہونے کی خواہش نہیں کی۔ اگر کبھی آپ نے دوسری شادی کی خواہش کی تو میں آپ کے لیے رکاوٹ نہیں بنوں گی۔ میں آپ کو شیئر کر سکتی ہوں۔ آپ کی خوشی میری اولین ترجیح ہے۔ بس مجھے کبھی چھوڑیے گا نہیں۔"
اس کے لہجے میں التجا تھی۔

ذہین اختر حیرت اور ستائش کا ملا جلا تاثر لیے اسے دیکھتا رہا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ اس لڑکی کو کبھی سمجھ نہیں سکا۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے معاملے میں روبینہ کو احساس جرم ستاتا ہے۔ روبینہ سوچتی تھی کہ اس نے خواہش کے زور پر ذہین کو حاصل کر کے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اسے یقین تھا کہ ذہین کو کسی سے محبت ہے۔ یہ بات اس کے انداز سے ظاہر ہوتی

تھی۔ اس بات سے ثابت ہوتی تھی کہ اتنا دولت مند ہونے کے باوجود اور اتنا طاقت ور ہونے کے باوجود اس نے کبھی شادی کی خواہش نہیں کی۔ ورنہ وہ تو دنیا کی کسی بھی عورت کے لیے خواہش کرتا تو وہ اس کے قدموں میں آگرتی اور من پسند لڑکی کو خواہش کے زور پر حاصل کرنے سے گریز اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ اس لڑکی سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ یہی ایک چیز اسے خواہش کرنے سے روک سکتی تھی۔ اس اعتبار سے محبت کے معاملے میں روبینہ خود کو ذہین کے معاملے میں کمتر محسوس کرتی تھی۔

اس کے خیال میں تلافی کی یہی صورت تھی کہ جب ذہین کو اس کی اصل محبت ملے تو وہ اس کی راہ کی رکاوٹ نہ بنے۔ وہ اس قربانی کے لیے ذہنی طور پر تیار تھی۔

☆-----------O-----------☆

خواہش کارپوریشن (لامحدود) کی دوسری سالگرہ بھی اسی انداز میں منائی گئی۔ اس تقریب میں روبینہ نے بھی شرکت کی۔ اس کی حیثیت اس بار میزبان کی تھی۔ تمام انتظامات اس نے خود کیے تھے۔ کیک اس نے اور ذہین نے مل کر کاٹا۔ اس کے فوراً بعد ذہین اختر نے اعلان کیا کہ چار دن بعد اس کی اور روبینہ کی شادی کی سالگرہ ہے اور اسٹاف کے تمام لوگ ان کے گھر پر مدعو ہیں۔

کیک کٹنے کے بعد سب لوگوں نے اپنی اپنی خواہشات کے لفافے ذہین اختر کے سپرد کر دیے۔ ذہین اختر انہیں لے کر اپنے کمرے میں گیا تو روبینہ بھی اس کے ساتھ تھی۔ گذشتہ سال کی طرح ذہین نے ہر لفافے کو نمٹایا اور اس کے بعد جلا دیا پھر وہ روبینہ کی طرف متوجہ ہوا۔ "تمہارا لفافہ نظر نہیں آیا مجھے۔"

"مجھے اب کوئی خواہش ہے ہی نہیں۔"

"پھر بھی..........."

"اور اب میں سٹاف میں شامل نہیں۔"

"کیسے ہو سکتی ہو۔ تم تو اب مالک ہو۔" ذہین اختر نے ہنستے ہوئے کہا۔ "شادی کی سالگرہ کے موقع پر میں تمہیں دس خواہشیں گفٹ کروں گا۔ یہ بتاؤ ان کا کیا کرو گی؟"

"انہیں کسی آڑے وقت کے لیے بچا کر رکھوں گی۔"

وہ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کمرے سے باہر آئے تو کھانا لگ چکا تھا۔

☆------------○------------☆

سالگرہ کی چھٹی کے اگلے روز فون کی گھنٹی بجی۔ کیپٹن محفوظ نے ریسیور اٹھایا۔

"خواہش کارپوریشن.........؟"

"میں آپ کا سابق کلائنٹ محمود لودھی بول رہا ہوں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "مجھے ذہین صاحب سے بات کرنی ہے۔"

"پلیز ہولڈ کیجیے۔" محفوظ نے ذہین اختر کو بتایا۔ ذہین کو محمود لودھی یاد تھا۔ "ٹھیک ہے اسے لائن دے دو۔" اس نے کہا۔

"بات کیجیے لودھی صاحب۔" کیپٹن محفوظ نے ماؤتھ پیس میں کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

"فرمایئے لودھی صاحب۔ کیسے یاد کیا؟"

"مجھے پھر آپ کی مدد کی ضرورت پڑ گئی ہے ذہین صاحب۔"

"حکم کیجیے ہم تو بیٹھے ہی اسی لیے ہیں۔"

"میں اپنی بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

ذہین کو حیرت ہوئی۔ "آپ کا مطلب کہ آپ محترمہ عالیہ سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جنہیں پانے کے لیے آپ نے پچھلی بار میری خدمات حاصل کی تھیں۔"

"جی ہاں ذہین صاحب۔"

"میں اس انقلاب کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔"

"بڑی لمبی کہانی ہے۔" دوسری طرف سے سرد آہ بھر کے کہا گیا۔

"میرے پاس فرصت بہت ہے۔ آپ اطمینان سے سنایئے۔"

"پہلے ایک اور اہم بات بتا دوں۔ یہ آپ کے لیے ڈبل کیس ہے۔ آپ کو محترمہ صوفیہ ہارون یاد ہوں گی۔"

"جی وہی۔ وہ بھی اپنے شوہر شاہد سے طلاق حاصل کرنا چاہتی تھیں۔ درحقیقت میں اور صوفیہ ایک دوسرے سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

"بہت خوب گویا دونوں کی وجوہات مشترک ہیں۔" ذہین اختر نے کہا۔ "اب مجھے وہ لمبی کہانی بھی سنا ڈالیے۔ میں بہت حیران ہوں۔"

"دونوں طرف ایک ہی کہانی ہے۔ عالیہ اور شاہد دونوں ہی طبقاتی تفاوت کے ہاتھوں مار کھا گئے۔ وہ خود کو ہماری سوسائٹی میں ایڈجسٹ نہ کر سکے اور احساس کمتری میں مبتلا ہو گئے یوں میرے اور صوفیہ کے لیے اچھا خاصا مسئلہ بن گیا۔"

"مجھے تو یہ عذر گناہ معلوم ہو رہا ہے۔ اصل کہانی سنایئے۔"

"یہ عذر نہیں' ایک بنیادی فیکٹر ہے۔ یہ ہم دونوں کے لیے ازدواجی زندگی سے غیر مطمئن ہونے کی بنیاد بنا۔ پھر ایک تقریب میں میری اور صوفیہ کی ملاقات ہوئی۔ آپ یقین کریں ذہین صاحب کہ صوفیہ کو دیکھ کر مجھے ایسا لگا کہ جیسے قدرت نے اسے میرے لیے ہی بنایا ہے۔ بعد میں پتہ چلا کہ اس پہلی نظر کے بارے میں صوفیہ کا بھی یہی تاثر تھا۔ اس کے بعد ملاقاتیں ہوتی گئیں اور ہم غیر محسوس طور پر ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہوتے گئے۔"

"لیکن جب آپ کا اور محترمہ صوفیہ کا کیس میرے پاس آیا تھا تو آپ عالیہ کی محبت میں اور صوفیہ صاحبہ شاہد کی محبت میں یوں ڈوبی ہوئی تھیں کہ اس کے بغیر جینا ناممکن ہو گیا تھا اور مجھے یاد ہے کہ آپ دونوں نے بڑے ارمانوں سے شادیاں کی تھیں۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ذہین صاحب' لیکن یہ بس قسمت کے کھیل ہیں۔" دوسری طرف محمود لودھی نے گہری سانس لے کر کہا۔ "آپ شاید یقین نہ کریں لیکن یہ واقعتاً انہونی ہوئی ہے۔ میں اور صوفیہ پہلے کبھی ایک دوسرے سے نہیں ملے' یہی انہونی ہے۔ ہم دونوں ایک ہی طبقے کے لوگ تھے پھر بھی ایک دوسرے سے ناواقف رہے۔ اگر ہم پہلے مل گئے ہوتے تو آپ کی کارپوریشن کے منافع میں بیس لاکھ روپے کم ہو جاتے اور ہم دونوں متفق ہیں کہ مجھے عالیہ سے اور صوفیہ کو شاہد سے محبت ہرگز نہیں تھی' ان

دونوں کی بے نیازی ہماری انا کے لیے چیلنج بن گئی تھی اور ہم اسے محبت سمجھ بیٹھے۔ صوفیہ اپنے کاروبار میں اور شاہد کی نام نہاد محبت میں یوں الجھی کہ اس کی سوشل لائف ہی ختم ہو گئی۔ اسی لیے کبھی میرا اور اس کا سامنا نہیں ہوا اور جب سامنا ہوا تو محبت ہوئی اور محبت ہوئی تو ہمیں پتہ چلا کہ محبت وہ نہیں تھی یہ ہے۔ بہرحال اب صورت حال یہ ہے کہ میں اور صوفیہ ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ اس بار میں آپ دونوں کی مدد نہیں کر سکتا لیکن میرے خیال میں.........."

"ایسا نہ کہیں۔ میں اور صوفیہ اس کام کے لیے آپ کو الگ الگ پہلے سے دگنا معاوضہ دیں گے۔ میں نے صوفیہ کے مشورے سے آپ کو فون کیا ہے۔"

"بات معاوضے کی نہیں۔ میں مجبور ہوں۔ کسی خواہش کے پورا ہونے کے بعد میں اسے رد نہیں کر سکتا۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"آپ نہیں سمجھ سکتے۔ البتہ میں جانتا ہوں۔ چالیس لاکھ ایسی رقم نہیں کہ میں اسے نظرانداز کردوں لیکن میں جانتا ہوں کہ کہاں میں بے بس ہوں۔"

"ذہین صاحب میں.........."

ذہین اختر نے اس کی بات کاٹ دی۔ "لودھی صاحب! آپ اور صوفیہ صاحبہ میرے کلائنٹ ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ میں آپ کے لیے کچھ بھی نہ کروں۔ میں جو کچھ کر سکتا ہوں ضرور کروں گا۔ اس صورت حال میں میں آپ کو صرف مشورہ دے سکتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ شاہد حسین کا اپنا کاروبار ہے اور اب وہ مالی اعتبار سے بہت مضبوط ہے۔ دوسری طرف آپ نے بھی محترمہ عالیہ کو یقیناً مالی تحفظات فراہم کیے ہوں گے۔ یہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ عالیہ اور شاہد دونوں بہت اچھے انسان ہیں وہ لالچی نہیں۔ آپ کو اور محترمہ صوفیہ کو صرف سچ بولنا ہوگا اور آپ کو بغیر کسی دشواری کے آزادی مل جائے گی۔"

"یہی تو ہم نہیں چاہتے ہیں ذہین صاحب۔ ہماری خواہش ہے کہ طلاق کے معاملے میں پہل وہ دونوں کریں۔"

"انسان کو دوبار زیادتی راس نہیں آتی لودھی صاحب۔" ذہین نے سخت لہجے میں کہا۔ "اب جو آپ چاہتے ہیں وہ کبھی نہیں ہوگا' آپ اور محترمہ صوفیہ پہلے ہی ان دونوں سے زیادتی کر چکے ہیں۔ اب پہل آپ کو کرنا ہوگی۔ فیصلہ بھی آپ کو ہی کرنا ہے۔ گڈ لک۔" اس نے ریسیور رکھ دیا۔

☆-----O-----☆

اسی شام سات بجے کیپٹن محفوظ جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ فون کی گھنٹی چیخ پڑی۔ محفوظ نے بدمزگی سے انسٹرومنٹ کو دیکھا۔ وہ الجھن میں پڑ گیا کہ فون ریسیو کرے نہ کرے پھر اس نے سوچا کہ فون ریسیو نہ کرنے میں کاروباری نقصان ہو سکتا ہے چنانچہ اس نے ریسیور اٹھا لیا۔ "خواہش کارپوریشن.........."

"آپ میری ایک خواہش پوری کرنے میں مدد دے سکتے ہیں؟" دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز نے کہا۔

"جی کیوں نہیں۔" محفوظ نے بے حد خوش اخلاقی سے کہا۔ "آپ اپنا نام بتائیں پلیز۔"

"جی میرا نام عاقلہ نظام ہے۔" دوسری لائن پر ذہین اختر سن رہا تھا۔ اس کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی اور وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"اور آپ کی خواہش؟"

"کیا آپ کو بتانا ضروری ہے۔"

"جی۔ اس کے بعد ہی باس فیصلہ کریں گے کہ آپ کو ملاقات کا وقت دیا جائے یا نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ایک شخص سے محبت کرتی ہوں اور اس سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بھی مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ مجھے یہ نہیں

معلوم کہ وہ کہاں ہے۔ میں اسے ڈھونڈنا چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ مجھے اس کا پتہ مل جائے۔"

"بس؟ آپ شادی کے سلسلے میں مدد نہیں چاہتیں؟"

"نہیں' اس سلسلے میں مجھے مدد کی ضرورت نہیں۔ آپ صرف اس کا پتہ فراہم کر دیں مجھے۔"

"مس نظام آپ ہولڈ کریں۔ میں باس سے بات کر کے آپ کو جواب دوں گا۔" محفوظ نے کہا اور فوراً ذہین اختر سے رابطہ کیا۔

"دفتر میں کون کون ہے؟" ذہین اختر نے پوچھا۔

یہ بات خلاف معمول تھی پھر اسے باس کے لہجے میں سنسنی اور آواز میں لرزش بھی محسوس ہوئی۔ "میرے سوا کوئی نہیں ہے باس۔" اس نے جواب دیا۔

"اور دین محمد؟"

"وہ تو آج جلدی چلا گیا تھا باس۔"

"ٹھیک ہے تم مس نظام سے کہو کہ فوراً چلی آئیں۔ میں ان کا منتظر ہوں اور ہاں تم بھی چھٹی کرو۔ چابی تالا فون کے پاس رکھ دینا دفتر میں خود بند کر لوں گا۔"

محفوظ نے اطمینان کا سانس لیا۔ ورنہ اسے لگ رہا تھا کہ اسے دیر تک رکنا پڑے گا۔ اس نے مس نظام کو فوراً آنے کی ہدایت دے کر ریسیور رکھا اور تالا چابی فون کے پاس رکھ کر دفتر سے نکل گیا۔

☆----------○----------☆

عاقلہ نظام!

یہ نام سنتے ہی ذہین اختر پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس نے سمجھ لیا کہ یہ اس کی ہی عاقلہ ہے اور عاقلہ نظام ہونے کا مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے شوہر سے طلاق لے چکی ہے۔ اس کی تصدیق اس سے بھی ہوتی تھی کہ وہ اسے تلاش کر رہی تھی اور اس کی مالی پوزیشن بھی بہت مضبوط ہو گی۔ اپنے بیک گراؤنڈ پر شرمسار لوگ اپنے نام

ونسب کے حوالے سے احساس کمتری میں مبتلا لوگ جب اپنی اصل ولدیت استعمال کرنے لگیں تو سمجھ لو کہ ان کا احساس عدم تحفظ اور احساس کمتری ختم ہو گیا۔

ایک ثانیے میں ذہین اختر نے بہت کچھ سوچ لیا۔ خوش قسمتی سے دفتر میں صرف محفوظ تھا۔ اسے اس نے چھٹی دے دی۔ اب وہ عاقلہ کا شایان شان استقبال کر سکتا تھا۔ اب وہ بغیر کسی مداخلت کے پچھلے دو برسوں کے گلے شکوے کہہ سن سکتے تھے۔

ذہین اختر نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی اور سمجھ لیا کہ محفوظ رخصت ہو گیا ہے۔ اس نے دیواری گھڑی میں وقت دیکھا۔ سات بج کر تین منٹ ہوئے تھے۔ وہ اٹھا اور کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہلنے لگا۔ اس کے جسم میں سنسنی دوڑ رہی تھی۔ دل کی دھڑکنیں بھی مسرت کا گیت گاتی محسوس ہو رہی تھیں۔ ایسی خوشی اس نے زندگی میں کبھی محسوس نہیں کی تھی۔

کہتے ہیں کہ انتظار اور خاص طور پر محبوب کا انتظار بہت صبر آزما اور اذیت ناک ہوتا ہے لیکن ذہین اختر عاقلہ کے انتظار میں خوشی اور لذت کے جھولوں میں پینگیں لے رہا تھا۔ شاید انتظار میں ہیجان کا سبب بے یقینی ہوتی ہے۔ یہ احساس کہ ممکن ہے آنے والا کسی وجہ سے نہ آ سکے اور انتظار کا عرصہ پھیل جائے' آدمی کو ستاتا ہے لیکن ذہین اختر کے ساتھ یہ معاملہ نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ عاقلہ بہرحال آئے گی۔ وہ اسے بے تابی سے تلاش کر رہی ہے۔ وہ اسی کی خاطر کارپوریشن (لامحدود) کے چیئرمین سے ملنے آ رہی ہے۔ ارے وہ تو ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرے گی۔ یہ ملن تو یقینی ہے۔

انتظار کے وہ لمحے بے حد خوبصورت تھے اور ذہین اختر کا تخیل ان میں وارفتگی کے رنگ بھر رہا تھا۔ کیسے وہ دروازے میں داخل ہو گی۔ کیسے اسے دیکھ کر حیران ہو گی۔ بت بن کر رہ جائے گی اور پھر وہ لپکے گی اور اس کی کھلی بانہوں میں سما جائے گی۔ کیسے وہ دیر تک لپٹے کھڑے رہیں گے۔ ایک دوسرے کے لمس سے بے خود' بے سدھ۔ وہ چپ رہیں گے تو جسم باتیں کریں گے پھر وہ بیک وقت بولنا شروع کر دیں گے۔

ذہین اختر کے جسم میں خون کی جگہ لذت دوڑ رہی تھی۔

اس نے نظریں اٹھا کر گھڑی کو دیکھا۔ سات بج کر دس منٹ ہوئے تھے' ارے سات منٹ گزر گئے اور پتہ بھی نہیں چلا۔ واہ یہ کیسا انتظار ہے جس میں وقت اڑا جا رہا ہے۔

دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی تو اس نے ٹہلنا موقوف کر دیا۔ اس کا رخ اپنے دفتر کے دروازے کی طرف تھا۔ چند لمحے بعد دروازہ کھلا اور وہ نظر آئی۔ وقت جیسے ٹھہر گیا۔ وہ پہلے جیسی نہیں تھی۔ اس کا حسن پہلے سے فزوں ہو گیا تھا۔ اسے اتنے قریب دیکھ کر ذہین اختر کی سانسیں رکنے لگیں۔ دل کی دھڑکنیں بے ربط ہو گئیں۔

عاقلہ نے اسے دیکھا تو اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس کے ہونٹ ہلے لیکن کوئی آواز نہ نکلی۔ وہ بت بنی ٹکٹکی باندھے ذہین اختر کو دیکھے جا رہی تھی۔

"ہاں عاقلہ یہ میں ہوں ذہین اختر۔" ذہین نے بے حد شیریں لہجے میں کہا۔ "مجھے معلوم تھا کہ تم آ رہی ہو۔ میں نے دنیا کا حسین ترین' سب سے بڑھ کر لذت آگیں انتظار کیا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ تم صرف سات منٹ میں آ گئیں۔ میں اس انتظار کی لذت بیان نہیں کر سکتا۔ اس کی لذت تو وصل سے بڑھ کر ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں قیامت تک بس یہی سات منٹ جیتا رہوں۔"

یہی وہ وقت تھا جب دیوی ظاہر ہوئی۔ اس نے فاتحانہ انداز میں قہقہہ لگایا۔

"آ گئے نا اپنے ہی جال میں۔"

ایک پل کو ذہین اختر کی آنکھوں میں حیرت چمکی جو فوراً ہی دہشت میں تبدیل ہو گئی۔ وہ کچھ سمجھ تو نہیں سکا تھا لیکن اسے یہ احساس ہو گیا تھا کہ سنگین ترین گڑبڑ ہو گئی ہے۔ انجانے میں وہ ایک ایسی خواہش کر بیٹھا ہے جو زندگی کی آخری خواہش بن گئی ہے۔ اسے ایک جھٹکا سا لگا اور اس نے خود کو اپنی کرسی پر بیٹھا پایا۔ اس نے دیواری گھڑی میں وقت دیکھا۔ سات بج کر تین منٹ ہوئے تھے۔ وہ اٹھا اور کمرے میں ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ اس کے جسم میں سنسنی دوڑ رہی تھی۔

دیوی قہقہے لگائے جا رہی تھی۔ "یہ ہے گھٹیا پن کا انجام لالچی انسان۔"

انتظار کے وہ لمحے بے حد خوبصورت تھے اور ذہین اختر کا تخیل ان میں وارفتگی کے رنگ بھر رہا تھا۔

دیوی قہقہے لگائے جا رہی تھی۔

اذیت ناک بات یہ تھی کہ ذہین اختر سب کچھ سوچ اور سمجھ سکتا تھا لیکن وہ کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ اپنی مرضی سے کوئی حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ دیوی کو جواب دینا چاہتا تھا اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے دفتر کے دروازے سے نکل جانا چاہتا تھا لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے جان لیا کہ وہ خود اپنی خواہش کا اسیر ہو گیا ہے' وہ گزرے ہوئے سات منٹوں کی مسلسل قید میں ہے' یہ احساس اور جان لیوا تھا کہ عاقلہ بھی اس کی حماقت میں لپیٹ میں آ گئی ہے۔ وہ بھی اس کے ساتھ قید ہو گئی ہے۔

پھر دروازہ کھلا اور وہ پھر نظر آئی۔ وقت جیسے ٹھہر گیا۔

دیوی فاتحانہ انداز میں قہقہے لگائے جا رہی تھی۔

"........... میں نے دنیا کا حسین ترین' سب سے بڑھ کر لذت آگیں انتظار کیا ہے۔ میں اس انتظار کی لذت بیان نہیں کر سکتا۔" ذہین اختر کہہ رہا تھا حالانکہ اس کا دماغ ان لفظوں کی نفی کر رہا تھا۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ اس انتظار میں کوئی لذت نہیں۔ یہ دنیا کا خوفناک ترین انتظار ہے۔ اس لیے کہ اس کے اختتام پر میرے لیے کائنات کی بدترین سزا ہے لیکن وہ یہ کہہ نہیں سکتا تھا۔

وہ ٹیپ ریکارڈر کی طرح بج رہا تھا۔ "اس کی لذت تو وصل سے بڑھ کر ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں قیامت تک بس یہی سات منٹ جیتا رہوں۔"

اسے جھٹکا لگا۔ وہ اپنی کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس نے دیواری گھڑی میں وقت دیکھا۔ سات بج کر تین منٹ ہوئے تھے۔

دیوی قہقہے لگائے جا رہی تھی۔ ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"واہ کیا پرفارمنس دے رہے ہو۔" اس نے داد دی۔ "اسے کہتے ہیں اداکاری۔ کہنا کچھ چاہتے ہو اور کہہ کچھ اور رہے ہو۔ بے حد دکھی ہو لیکن بے حد خوش نظر آ رہے ہو۔ واہ

بھئی واہ۔"

ذہین اختر دیوی پر چیخنا چاہتا تھا' اسے ڈانٹنا چاہتا تھا لیکن یہ اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ یہ بے بسی اور اذیت ناک تھی۔ وہ مشین کی طرح بولے جا رہا تھا۔ "مجھے افسوس ہے کہ تم صرف سات منٹ میں آ گئیں۔ میں اس انتظار کی............" اب وہ دیوی کے سامنے گڑگڑانا' اس کی خوشامد کرنا چاہتا تھا لیکن اس کے بس میں یہ بھی نہیں تھا۔

اسے آٹھواں جھٹکا لگا تو وہ نڈھال ہو چکا تھا لیکن باہر سے تازہ دم دکھائی دے رہا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی تو اس نے ٹہلنا موقوف کر دیا' اس کا رخ اپنے دفتر کے دروازے کی طرف تھا۔ دروازہ کھلا اور وہ نظر آئی' وقت جیسے ٹھہر گیا۔

اسے خیال آیا کہ عاقلہ کی اذیت تو اور زیادہ ہو گی۔ اس بے چاری کو تو یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ کس بات کی سزا ملی ہے اسے۔ اس پر کیا گزر رہی ہو گی۔

دیوی نے قہقہہ لگایا۔ "اچھا تو اے خوش گوار وقت کے اسیرو' میں چلتی ہوں۔" وہ بولی۔ "آج میں آزاد ہو گئی ہوں۔ تم قیامت تک سیاروں کی طرح اس کمرے میں گردش کرتے رہو۔ یونہی طلوع و غروب ہوتے رہو۔ ہاں چلتے چلتے تمہیں ایک بات بتا دوں۔ تمہارے اکاؤنٹ میں اس وقت بارہ ہزار چھ سو اڑتالیس خواہشیں موجود ہیں۔" یہ ایک اور تازیانہ تھا۔

یہ کہہ کر دیوی ایک دم غائب ہو گئی۔

کمرے میں سات بج کر تین منٹ اور سات بج کر دس منٹ کا وقت خود کو دہرائے جا رہا تھا۔ اپنے اسیروں کو نچائے جا رہا تھا۔ اس کا کوئی اختتام نہیں تھا۔

○ ☆ ○ ختم شد ○ ☆ ○